میں کی کر یار مناواں

نبیلہ ابر راجہ

نبیلہ ابر راجہ

میں کی کریاں ستاوان

مکمل ناول

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے کیا ہو گا؟" ہاتھ میں تھامے کاغذ پر نظر دوڑاتے ہوئے وہ اچھی خاصی متفکر تھی۔

"ارے کچھ نہیں ہوتا۔" رطابہ نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے گویا اس کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی۔

"میری زندگی کا پہلا موقع ہے۔ یہ اتنا بڑا مشاعرہ اور میں ان سب میں نو آموز ہوں۔ اتنے بڑے بڑے شاعر ہوں گے وہاں۔ میں کیسے پڑھوں گی ان کے سامنے۔"

"جیسے پہلے پڑھتی رہی ہو یونیورسٹی میں، کالج میں۔ اسی طرح ان سب کے سامنے بھی پڑھ دینا۔"

"کالج یونیورسٹی کی اور بات تھی وہاں پہ ساتھی اسٹوڈنٹس اور ٹیچرز ہی ہوتے تھے اور یہاں تو پورے ملک کے نامی گرامی شعراء ہوں گے۔ میں تو ابھی سے نروس ہو رہی ہوں۔" اس نے بے چارگی سے رطابہ اور ماہ گل کی طرف دیکھا۔

"تم پڑھو نا میرے سامنے اور یہ تصور کرو جیسے مشاعرے میں سب کے سامنے پڑھ رہی ہو۔" گل نے کاغذ پہ لکھی غزل اس کی طرف بڑھائی۔ یہ غزل اس نے یونیورسٹی میں ہونے والے بین الکلیاتی مشاعرے میں پڑھی تھی اور پہلا انعام حاصل کیا تھا۔ پھر اس نے ایک ادبی ماہنامے میں بھی بھیجی۔ سے چھپنے کی امید تو نہیں تھی مگر اس وقت اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی

جب ادبی رسالے کے مدیر کا اسے خط ملا۔ پروا نے اس کے بعد اپنی نظمیں اور تخلیقات بھی ان کو بھیجیں۔ جس پہ اسے تعریفی خطوط موصول ہوئے۔ پھر ان مدیر کے توسط سے اس کا رابطہ دیگر شعراء سے ہوا اور ان ہی کے توسط سے اسے مقامی مشاعرے میں حصہ لینے کا موقع ملا۔

یونیورسٹی میں تو وہ مشہور ہو ہی چکی تھی مگر اب ادبی حلقوں میں بھی اس کی پذیرائی کا آغاز ہو چکا تھا۔ جس کا ثبوت یہ دعوت نامہ تھا۔ اسے تو سب کچھ خواب لگ رہا تھا جیسے وہ آنکھ کھولے گی تو ٹوٹ جائے گا۔ رطابہ اور گُل اس کی کزن بھی تھیں اور دوست بھی۔ اپنے خوف اور گھبراہٹ کا اظہار اس نے سب سے پہلے ان دونوں کے سامنے ہی کیا۔ پر گُل خاطر میں ہی نہیں لائی۔

"چلو پڑھو اب۔"

وہ عین اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ پروا نے اپنا حوصلہ جمع کیا اور بڑے اطمینان سے غزل پڑھ دی۔

"گڈ اس غزل کے ساتھ ایک اور غزل یا نظم بھی پڑھ دینا۔" رطابہ اس کی شاعری والی ڈائری الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔

"کپڑے کون سے پہنوں گی؟" اب اسے کپڑوں کی فکر لاحق ہوئی تو رطابہ اور ماہ گُل اس کے کپڑوں کی الماری کھول کر کھڑی ہو گئیں۔

بڑی دیر اور بحث کے بعد پروا کو فیروزی لانگ شرٹ کے ہمراہ پرنٹڈ پائجامہ والا ڈریس پسند آیا۔ شرٹ پہ بہت خوب صورت لیس لگی تھی ساتھ چوڑی دار پائجامہ اس نے بہت شوق سے بنوایا تھا۔ رطابہ نے بہت چاؤ سے چوڑیاں بھی نکالیں۔

"یہ دونوں سیٹ بھی پہننا تم کلائیوں میں۔" فیروزی اور گلابی میچنگ چوڑیاں اس نے پروا کی بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے یاد دہانی کروائی۔ ماہ گُل نے ڈھونڈ کر ہم رنگ اسکارف بھی نکال دیا۔ ساتھ نگوں والی بہت نازک اور اسٹائلش سی جوتی بھی۔

ان دونوں نے بار بار غزلیں اور نظم پروا سے پڑھوائی۔ رات گئے سونے سے پہلے تک یہ مشق چلتی رہی۔

اقراء اور انجم بخاری دیکھ دیکھ کر ہنستے رہے۔ پروا ان کی ایک ہی تو اولاد تھی۔ جسے دیکھ دیکھ کر وہ حقیقی معنوں میں جیتے تھے۔

انجم بخاری ڈاکٹر تھے جبکہ اقراء ہاؤس وائف تھیں۔ ان کا ارادہ پروا کو بھی ڈاکٹر بنانے کا تھا مگر اس کا رجحان اس طرف نہیں تھا۔

وہ شروع سے ہی بہت اچھی اور اپنے اساتذہ کی منظورِ نظر طالبہ رہی تھی۔ کھیل کا میدان ہو کہ تقریری مقابلہ یا کوئی میوزیکل ایونٹ ہو، وہ ہر جگہ نمایاں ہی رہتی تھی۔

اس کے کمرے میں تعریفی سرٹیفکیٹس اور ٹرافیاں سجی ہوئی ہر آنے جانے والے کو اس کی دلچسپی اور کامیابی کی کہانیاں سناتی تھیں۔ جنہیں سن سن کر اس کا سر فخر سے بلند ہونے لگتا تھا۔

یونیورسٹی میں داخلے کے وقت اس نے اپنی مرضی سے انٹرنیشنل ریلیشنز کو بطور مضمون چنا۔ ایڈمیشن کے بعد حسبِ عادت اس نے زور و شور سے غیر نصابی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا اور کچھ ہی عرصے میں اس کا شمار یونیورسٹی کے قابلِ ذکر طلباء میں ہونے لگا۔ غیر نصابی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ اس کی توجہ پڑھائی پر بھی برقرار تھی یہی وجہ تھی کہ جب پہلے سمسٹر کا رزلٹ آؤٹ ہوا تو ہمیشہ کی طرح وہ اچھے نمبروں سے کامیاب ہوئی۔

☆ ☆ ☆
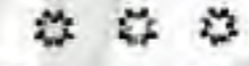
وریٰ، دُرِ شہوار، سلویٰ اور راحیلہ اکٹھے بیٹھے شام کی چائے پی رہے تھے۔ کچھ ہی دیر میں فیصل لغاری اور بابر بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ فیصل دو دن سے گھر پہ ہی تھا۔ اس سے پہلے وہ مسلسل کچھ مہینوں سے بزی تھا۔ حالیہ کیس کو کامیابی سے مکمل کرنے

کے بعد اس نے پولیس ڈپارٹمنٹ سے کچھ دن کی چھٹی لی تھی تاکہ ذہنی اور جسمانی طور پر پھر سے تازہ دم ہو کر اپنی پسندیدہ سرگرمیوں میں حصہ لے سکے۔

فارغ وقت میں وہ جم چلا جاتا، ٹینس کھیل لیتا۔ ان سرگرمیوں میں بھرپور طور پہ اس کا ساتھ بابر دیتا تھا جو نہ صرف اس کا بہنوئی بلکہ کزن بھی تھا۔ فیصل اور بابر کے والد آپس میں بھائی تھے۔ دونوں کے گھر بھی اکٹھے تھے۔ دونوں خالائیں اور ایک پھوپھو بھی ادھر ہی مقیم تھیں۔ فیصل، دُرِ شہوار اور حنان تین بہن بھائی تھے۔ بابر کی صرف ایک بہن سلویٰ تھی۔ راحیلہ ان کی پھوپھو کی بیٹی تھی جبکہ وریٰ بڑی خالہ کی صاحبزادی تھی جو اکثر اوقات انہی کے گھر پائی جاتی۔

راحیلہ اور سلویٰ کو کل ایک مشاعرے میں جانا تھا۔ دونوں قائداعظم یونیورسٹی میں اکٹھے زیرِ تعلیم تھیں، اسی کے حوالے سے باتیں ہو رہی تھیں۔

"ہماری لائف میں کوئی نیا پن نہیں ہے وہی روز کی روٹین گھسی پٹی، زیادہ سے زیادہ باہر جا کر ہوٹلنگ کر لی اور پھر بس۔ یار! کتنی بور لائف ہے ہماری۔" راحیلہ نے بڑے مظلوم انداز میں ان سب کو یوں کہا تھا۔

"ہاں تم ٹھیک کہتی ہو، پہلے کبھی کبھار ہم لوگ میوزک کنسرٹس میں بھی چلے جاتے تھے اور اب جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے کہ گھر واپس آنا بھی نصیب نہ ہو۔" دُرِ شہوار نے ان کی ہاں میں ہاں ملائی تو سلویٰ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"کیوں نہ آپ بھی کل مشاعرے میں ہمارے ساتھ چلیں۔ کیوں بابر بھائی کیا خیال ہے؟" اس نے بھائی کو بھی ساتھ گھسیٹ لیا۔ وہ فیصل سے باتوں میں مصروف تھا، چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوا۔

"بھائی آپ بھی چلیں نا ہمارے ساتھ۔" سلویٰ نے لاڈ سے ان کا کندھا ہلایا۔

"کہاں؟"

"مشاعرے میں اور کہاں.... ذرا چینج ہو جائے گا۔" بابر فوراً مان گیا۔ بابر نے فیصل کو بھی آفر کر دی۔

"آپ کو پتہ ہے کل مشاعرے میں ہماری یونیورسٹی کی پروا اور گُل بھی حصہ لے گی۔ اسی لیے تو ہم بھی جا رہے ہیں۔" سلویٰ نے انکشاف کیا۔ فیصل کو مشاعرے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ ان سب کی وجہ سے بادل نخواستہ جانے کے لیے راضی ہو گیا۔

تراب لغاری ڈی ایس پی کے عہدے سے سبکدوش ہوئے تھے۔ ان کا سروس ریکارڈ بے داغ رہا تھا، یہی وجہ تھی کہ وہ شروع سے ہی فیصل کا آئیڈیل تھے۔ اسی وجہ سے سی ایس ایس کرنے کے بعد اس نے پولیس ڈپارٹمنٹ جوائن کیا تھا، جبکہ بابر نے اپنے والد رجب لغاری کی طرح بزنس میں ان کا ہاتھ بٹانے کو ترجیح دی تھی۔

"اس پورے خاندان کی محبت آپس میں مثالی تھی۔ جس نے سب کو ایک ڈور میں باندھا ہوا تھا، وہ ہستی صفورا بیگم کی تھی۔ ان کی محبت کرنے والی مشفق دادو جو ان سب سے یکساں محبت کرتی تھیں۔ وہ سب ان سے بہت قریب تھے۔ وہ سب کی خوشی، دکھ سکھ میں شریک رہا کرتیں جس کی وجہ سے ہر کوئی انہیں چاہتا تھا۔ فیصل لغاری ان کا سب سے لاڈلا تھا۔ پیار تو وہ حنان اور بابر سے بھی کرتی تھیں مگر فیصل سے انہیں کچھ زیادہ ہی لگاؤ تھا۔

دُرِ شہوار اور بابر کی شادی کے بعد سب کی نظریں فیصل کی طرف مرکوز تھیں۔ خود صفورا بیگم چاہتی تھیں کہ اس کی شادی ان کی زندگی میں ہی ہو جائے، اس کے لیے چپکے چپکے لڑکیاں دیکھی جا رہی تھیں۔

بڑی پھوپھو کا دل تھا کہ فیصل کی دلہن راحیلہ بنے، ادھر خالہ کا بھی کچھ ایسا ہی ارادہ تھا مگر فیصل نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ مجھے خاندان کی سب لڑکیاں بہنوں کی طرح لگتی ہیں۔ اس بات پہ بڑی پھوپھو اندر ہی اندر خفا تھیں کہ فیصل نے اچھا بہانہ تراشا ہے۔ پھر بھی اندر ہی اندر انہوں نے اپنی کوششیں جاری رکھی ہوئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

اتنے نامی گرامی شعراء سے ملنے اور قریب سے دیکھنے کا پہلا موقع تھا۔ بیک وقت وہ خوش بھی تھی اور نروس بھی۔

مشاعرہ شروع ہو چکا تھا۔ گاہے بگاہے اپنی کلاس فیلوز پہ نظر ڈال کر اس کی ہمت بڑھ جاتی۔ رخشانہ اور اینجل دو تین وقفے سے پروا کی ہمت بڑھا رہی تھیں۔

فیصل نے لاکھ دامن بچانا چاہا کہ میں آپ لوگوں کو ڈراپ کر کے کاشف کی طرف چلا جاؤں گا مگر بابر نے ایک نہ چلنے دی۔ سلویٰ اور راحیہ کی خوشی دیدنی تھی ان کے ساتھ ورتی بھی شوق میں چلی آئی تھی کہ میں نے کبھی کسی شاعر کو قریب سے نہیں دیکھا۔

وہ اگلی صفوں میں تھے۔ اسٹیج کے عین سامنے اس وقت ایک نو آموز شاعر اپنا کلام سنا رہا تھا۔

حاضرین محفل میں ہر طبقہ فکر کے لوگ شامل تھے۔

اس لیے ماحول میں بڑی رنگا رنگی سی تھی۔

"اب اپنا کلام پیش کرنے کے لیے پروا اوزگل تشریف لاتی ہیں۔" صدر مشاعرہ اس کا نام پکار رہے تھے۔

ہو گل اور رخشانہ نے آنکھوں آنکھوں میں اس کا حوصلہ بڑھایا۔

صرف ایک لمحے کی بات تھی۔ شرکاء پہ نظر دوڑاتے ہی پروا کا اعتماد بحال ہو گیا۔ اس نے نازک ہاتھوں سے مائیک کا رخ اپنی طرف موڑا۔

"یہ ہے ہماری یونیورسٹی کی پروا اوزگل! دیکھیں کتنی پیاری ہے۔" سلویٰ فیصل کی سیٹ سے تیسرے نمبر پہ بیٹھی تھی۔

اس نے اپنا کلام شروع کیا تو ورتی کی آنکھوں میں پسندیدگی اترنے لگی۔

گزری ہوئی رات سے ڈر لگتا ہے
نہ چھیڑ کہ ہجر کی بات سے ڈر لگتا ہے
نہ جانے دل کیا کر بیٹھے میرے ساتھ
کیا کہوں اپنی ہی ذات سے ڈر لگتا ہے

پروا اوزگل اپنی مخصوص دلکش آواز میں کلام پیش کر رہی تھی۔ بابر، دزشہوار اور راحیہ کے ساتھ اب فیصل بھی متوجہ تھا۔

اس کی آواز کا دلکش زیر و بم پوری طرح حاضرین محفل کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا۔

فیصل کی نگاہ اس پہ ٹھہر سی گئی تھی۔ ایک پُر غرور سی تمکنت اور معصوم سی سرکشی اس حسینہ کے سراپے سے جھانکتی محسوس ہو رہی تھی۔

اب وہ اپنی ایک نظم "تارسائیاں" سنا رہی تھی۔ فیصل بھی اوروں کی طرح اس کی دلکش آواز میں گم سا تھا۔ وہ اپنا کلام سنا کر جا چکی تھی۔ بابر نے فیصل کی دلچسپی محسوس کر لی تھی۔

"کیا بات ہے۔" اس نے فیصل کی طرف جھکتے ہوئے چھیڑا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

آنکھوں میں چمک لیے لہجے میں دلکش کھنک سموئے وہ بہت سے شعراء کو اپنی طرف متوجہ کر چکی تھی۔

مشاعرہ کا اختتام ہوتے ہی راحیہ اور سلویٰ پروا کی طرف بڑھ گئیں۔ آخر کو ان ہی کے ڈیپارٹمنٹ کی تھی۔ سلویٰ نے دزشہوار بھابھی اور ورتی کو بھی گھسیٹ لیا اور سیدھی پروا کے پاس جا رکی۔ وہ بہت خوش تھی ساتھی اسٹوڈنٹ کو اپنے درمیان پا کر سلویٰ نے بھی دل کھول کر اس کی تعریف کی ساتھ دزشہوار اور ورتی کا تعارف بھی کروایا۔

"پروا! میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں۔" راحیہ نے کھلے ہاتھوں اپنی خواہش بیان کر دی۔

"کیوں نہیں، میں آپ کی دوست ہی تو ہوں۔" پروا ہولے سے مسکائی۔ ادھر فیصل اور بابر انہیں ہی ڈھونڈ رہے تھے جو اچانک ہی ان کے پاس سے اٹھ کر جانے کہاں چلی گئی تھیں۔

"یار! یہ انہیں گھر بھی چلنا ہے۔ تو تو بیچ ہی گئے ہیں۔" اسے اب غصہ آ رہا تھا۔

"آؤ چلتے ہیں ورنہ ان کی باتیں ختم نہیں ہوں گی۔" بابر نے قدم آگے بڑھائے تو ناچار اسے بھی تقلید

کرنا پڑی کیونکہ گھر نہیں جانا۔ رات ادھر ہی گزارنے کا ارادہ تو نہیں۔" پروا کی پشت اس کی طرف تھی وہ اسے نہیں دیکھ پایا۔ لیکن اس کا مخاطب وہ چاروں ہی تھیں۔

"لو فیصل بھائی ہیں۔ پروا! یہ میرے کزن اور دزشہوار بھابھی کے بھائی ہیں فیصل غفاری۔ انجینئر ہیں کیمس ڈیپارٹمنٹ میں ہیں۔" سلویٰ نے اس کا تعارف فخر سے کرایا تو پروا نے رخ موڑ کر اچٹتی سی نگاہ اس پہ ڈالی تو فیصل نے بغور اسے دیکھا۔ یہ تو وہی شاعرہ تھی جس کے ایک ایک شعر پہ خوب داد دی گئی تھی۔

جاذب نقوش اور بادامی چمکدار آنکھوں سے سجا چہرا۔ سر پہ پنک اسکارف اوڑھے یہ لڑکی خاصی حد تک بے نیاز لگ رہی تھی انداز میں واضح تمکنت نمایاں تھی۔

"یار! یہ تو بیچ کی شاعرہ بلکہ کسی شاعر کی جیتی جاگتی غزل لگ رہی ہے۔" بابر نے دوبارہ اس کی نگاہوں کے ارتکاز کو محسوس کر لیا تھا۔ فیصل نے سر جھٹکا۔ وہ دونوں ان لڑکیوں سے قدرے ہٹ کر کھڑے تھے۔ فیصل اس رخ پہ کھڑا تھا کہ اس کے سامنے پروا کا پورا سراپا نمایاں تھا۔ اس نے اپنے آپ میں بے چینی سی محسوس کی کچھ دیر بعد دزشہوار سمیت ان تینوں نے بھی پروا سے اجازت چاہی۔

سلویٰ بہت چہک رہی تھی۔

"یہ جو تمہارے ڈیپارٹمنٹ کی شاعرہ ہے نا ایک دن اس کا بہت نام ہو گا۔" ورتی نے گاڑی میں بیٹھتے ہی پیش گوئی کی۔

"نام تو اس کا ابھی بھی خاصا مشہور ہے۔ آج کے مشاعرے میں دیکھا نہیں کتنے بڑے بڑے شاعروں کے ساتھ ساتھ پروا جیسی ادبی میدان میں نو وارد شاعرہ کو بھی دعوت دی تھی۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ادبی حلقوں میں اس کا تعارف ہونے لگا ہے۔" فیصل خاموشی سے ان کے تبصرے سنتا رہا۔

☼ ☼ ☼

راحیہ اور سلویٰ اب پروا کے گروپ میں شامل ہو چکی تھیں۔ سو اسے مما پاپا سے ملوانے لائی تھی۔

لالہ زار میں انجم غفاری کا ڈبل یونٹ چھوٹا سا گھر خوب صورتی اور سادگی سے سجا ہوا تھا۔ اس میں راحیہ اور سلویٰ جیسے شاندار اور ویل ڈیکوریٹڈ گھر والی بات نہیں تھی۔ مگر پروا کی کسی بھی حرکت یا بات سے اس کا اظہار نہیں ہو رہا تھا کہ ان کے مقابلے میں وہ خود کو کمتر تصور کرتی ہے۔ راحیہ اور سلویٰ نے وہیں بیٹھے بیٹھے اقراء اور پروا کو بڑے خلوص سے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی۔ خاص طور پہ راحیہ چاہتی تھی کہ پروا جلد از جلد ان کے گھر آئے۔

☼ ☼ ☼

ڈاکٹر انجم خود اسے راحیہ کے گھر ڈراپ کر کے آئے۔

وہ پہلی بار آئی تھی اس لیے اس نے مشہور بیکری سے بطور خاص کیک لیا تھا ساتھ خوب صورت گل دستہ

تھا۔ موسم کی مناسبت سے پروا نے لان کا نہایت
دیدہ زیب سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا۔ راجیہ نے خاطر
تواضع کے نام پہ بہت کچھ تیار کروایا تھا تاکہ پروا پہ اس
کا پہلا تاثر بہت اچھا پڑے۔ پروا کو اس نے سارا گھر
دکھایا۔ اس نے دل کھول کر تعریف کی مگر اس تعریف
میں مرعوبیت کا شائبہ تک نہ تھا۔ راجیہ کا دل بجھ سا
گیا۔ اس نے پروا کو بلایا ہی اس لیے تھا کہ وہ اس کا گھر
اور رہن سہن دیکھ کر متاثر ہو۔ نہ جانے کیوں اسے پروا
کی پذیرائی سے عجیب سا حسد ہونے لگا تھا۔ اس نے
یونیورسٹی میں پہل بھی اپنی دھاک بٹھانے کے لیے کی
تھی۔ ہرچند کہ لڑکیاں اس کی حیثیت سے متاثر تھیں
مگر پروا سارے گروپ میں ممتاز تھی۔ ساتھ راجیہ کو
اپنی کم صورتی کا اچھی طرح احساس تھا وہ نامعلوم سے
احساس کمتری کا شکار ہو رہی تھی جب سے پروا ان کے
گروپ میں شامل ہوئی تھی تب سے اپنی شکل و
صورت کے بارے میں وہ زیادہ ہی سوچنے لگی تھی۔
راجیہ کے ہاں دو گھنٹے گزار کر وہ واپسی کی تیاری کر
رہی تھی جب راجیہ اسے سلوٰی کی طرف لے آئی
کیونکہ پاس ہی تو گھر تھا ایک ہی سیکٹر میں۔ پروا نے بھی
کوئی اعتراض نہیں کیا۔
راجیہ نے پروا کی آمد کا بتایا نہیں تھا۔ اس کی اچانک
آمد سے سلوٰی بہت خوش ہوئی۔ درِ شہوار بھی وہیں ان
کے پاس بیٹھ گئی۔ دنیا جہان کی باتیں ہو رہی تھیں۔
شام کو بابر بھی آفس سے لوٹ آیا۔ پروا سے اس کا
تھوڑا بہت تعارف مشاعرے میں ہو چکا تھا۔ وہ اسے
بہت اپنائیت سے ملا۔ جواباً پروا نے بھی بڑے سلیقے
سے حال احوال پوچھا۔
سارا بیگم جو سلوٰی اور بابر کی والدہ تھیں۔ وہ بھی پروا
سے مل کر بہت خوش ہوئیں۔ سلوٰی کی تقریباً ساری
سہیلیاں ان کے گھر آتی جاتی تھیں اور ساری
دوستوں میں انہیں پروا بہت مہذب، باشعور اور سلجھی
ہوئی لگی تھی۔ پہلی ملاقات میں ہی انہوں نے اس
کا اظہار کر دیا اور آتے جاتے رہنے کی تاکید بھی کی۔
کافی ٹائم ہو گیا تھا۔ نجم صاحب ابھی تک اسے لینے
نہیں آئے تھے۔ اس نے فون کیا تو پتہ چلا کہ وہ اس
وقت اپنے کلینک میں تھے اور مریضوں میں مصروف
تھے۔
"تو اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔" راجیہ
نے حیرت سے بھنویں اچکاتے ہوئے کہا۔
"اصل میں مما اکیلی ہوتی ہیں نا تو پریشان ہو جاتی
ہیں۔" اس نے بتایا۔
"ڈرائیور تمہیں چھوڑ آئے گا ڈونٹ وری۔"
سلوٰی نے تسلی دی مگر اس نے انکار کر دیا۔ "چلو میں
اور بابر چلتے ہیں تمہیں ڈراپ کر آتے ہیں" درِ شہوار
نے اچانک ہی جیسے اس کی پریشانی کی وجہ سمجھ لی تھی۔
بابر جونہی گاڑی اسٹارٹ کر کے گیٹ تک لایا اسی وقت
فیصل وہاں آ رکا۔ وہ ابھی واپس آیا تھا۔ اس سے پہلے
کہ وہ بابر سے کچھ پوچھتا درِ شہوار، سلوٰی کی ہمراہی میں
پروا سج سج چلتی بابر کے پاس آ رکی۔ فیصل نے خود ہی
آداب میزبانی نبھاتے ہوئے سلام کیا۔
"انہیں ڈراپ کرنے جا رہے ہیں لالہ زار۔ واپسی
گپ شپ ہو گی جب تک تم فریش ہو جانا۔" فیصل
کی سوالیہ نگاہوں سے جواب میں بابر نے مختصراً بتایا۔
واپسی پہ بھی ان تینوں کے درمیان پروا کی ذات ہی
موضوع بحث رہی۔ بابر سیدھا تایا کی طرف آ گیا۔
فیصل، دادو اور نیلم بیگم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ بابر
بھی ادھر ہی ٹک گیا۔
"کہاں گئے تھے تم؟" دادو نے اس کے بیٹھتے ہی
پوچھا۔
"سلوٰی کی نئی دوست ہے پروا بہت اچھی لڑکی ہے۔"
فیصل لغاری نے بڑی حیرت سے بابر کی طرف
دیکھا۔ وہ کم ہی کسی لڑکی کی تعریف کرتا تھا۔ تھوڑی دیر
بعد فیصل اسے ساتھ لے کر گھر سے باہر آ گیا۔ دونوں
ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے جب فیصل نے اچانک
پوچھا۔
"سلوٰی کی یہ دوست کہاں رہتی ہے۔ میرا مطلب
ہے تم لوگ کہاں گئے تھے؟"
"لالہ زار میں اس کے گھر چھوڑ کر آئے تھے اور تم

کیوں پوچھ رہے ہو؟" بابر نے مشکوک نگاہوں سے
اسے دیکھا۔
"ایسے ہی۔"
"ایسے ہی تو پہلے تم نے کبھی اس کی فرینڈز کے
بارے میں نہیں پوچھا۔ حنا کے بارے میں بھی نہیں
جس نے تمہیں خود فرینڈشپ کی آفر کی تھی۔" بابر
نے اسے راجیہ اور سلوٰی کی مشترکہ دوست کا نام لیا جو
اس میں انٹرسٹڈ ہو گئی تھی۔
"غلطی ہو گئی ہے جو پوچھ لیا۔" وہ بری طرح چڑ گیا۔
"میں اس لیے کہہ رہا تھا کہ کہیں کوئی اور چکر تو
نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے کہ کہیں تم دوستی تو نہیں
کرنا چاہتے۔" بابر نے ڈرتے ڈرتے کہا اور ساتھ ہی
اس کے تاثرات جانچے۔ دونوں بچپن سے اکٹھے پلے
بڑھے تھے۔ بابر اس کی ایک ایک بات سے واقف تھا۔
فیصل نے غصے سے اسے دیکھا تو بابر کو اس کے غصے
کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔
"یار راجیہ اور سلوٰی اس کی بہت تعریفیں کرتی ہیں
اور دونوں متاثر ہیں اور تو اور آج مما نے بھی کہا کہ
آئندہ آتی جاتی رہنا۔ سلوٰی کی ساری فرینڈز میں سے
پروا واحد لڑکی ہے جو سچ مچ انہیں پسند آئی ہے۔
میں نے گھر بھی دیکھ لیا ہے۔ چھوٹا اور خوب
صورت سا گھر ہے۔ پروا کی طرح باوقار اور ایک بات
جو میں نے محسوس کی ہے کہ پروا اپنی انا اور خودداری کا
خیال رکھنے والی ہے۔" فیصل چپ سا ہو گیا۔ تھوڑی دیر
ادھر ادھر کی باتوں کے بعد وہ گھر لوٹ آئے۔

☼ ☼ ☼

پروا اپنی یونیورسٹی کی نمائندگی کرنے مشاعرے کے
لیے لاہور گئی ہوئی تھی۔ اس بار بھی اپنی یونیورسٹی کے
لیے پہلا انعام اسی نے جیتا تو گروپ میں شامل سب
فرینڈز نے ٹریٹ کا مطالبہ کیا۔ پروا نے سب کو گھر پہ
انوائیٹ کر لیا۔ کھانے کے بعد انہوں نے پروا سے تازہ
کلام سنانے کی فرمائش کی تو لطف دوبالا ہو گیا۔
ادھر پروا کی کامیابیوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔
ادبی رسالوں میں تواتر کے ساتھ اس کا کلام چھپ رہا
تھا۔ وہ بہت خوش تھی۔
آئی آر کے دوسرے سمسٹر کے امتحانات کے فوراً
بعد ہی اس کا پہلا مجموعۂ کلام بھی چھپ کر آ گیا جس کا
عنوان تھا "خوابوں سے بچھڑ کر"۔ اس کا پیش لفظ ایک
معروف شاعر نے لکھا تھا اور ادبی دنیا میں اسے بہار کا
تازہ جھونکا قرار دیا جا رہا تھا۔ کیونکہ اس کے شاعری میں
بھی نزاکت، نسائیت اور لڑکیوں کے احساسات کو
موضوع بنایا گیا تھا، سو اس کے مجموعۂ کلام کو ہاتھوں
ہاتھ لیا جا رہا تھا۔
اس نے اپنے آٹو گراف کے ساتھ سلوٰی اور راجیہ
کو بھی ایک ایک کتاب دی۔
سلوٰی سے وہ بہت قریب آ گئی تھی۔ اس میں سارا
عمل دخل سلوٰی کے خلوص کا تھا۔ ویسے بھی وہ سادہ
مزاج لڑکی تھی۔ اس کا منگیتر کینیڈا سے آیا ہوا تھا اور
اپریل میں اس کی شادی بھی ہو جانی تھی۔ پروا بہت اداس
تھی کیونکہ شادی کے بعد سلوٰی کو کینیڈا چلے جانا تھا۔
اس نے یونیورسٹی سے چھٹی لے لی تھی اور سارا ٹائم
شاپنگ میں صرف کر رہی تھی۔ تیسرے چوتھے دن پروا
بھی ٹائم نکال کر اس کی طرف آ جاتی۔ ڈاکٹر نجم نے
اسے ایک گاڑی بھی لے دی تھی ڈرائیونگ اس نے
بہت جلد ان ہی سے سیکھ لی تھی۔ اسے اب آنے
جانے کی سہولت ہو گئی تھی۔
پروا کو سلوٰی کی ساری فیملی اچھی طرح جان گئی تھی۔
سارا تو اسے بہت پیار کرنے لگی تھیں۔ درِ شہوار بھی
اسے پسند کرتی تھی مگر اس دوران نامحسوس انداز میں
راجیہ اس سے دور ہو گئی تھی۔ کم سے کم پروا نے یہی
محسوس کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

سلوٰی کی شادی کے لیے فیصل نے بطور خاص
چھٹی لی تھی۔
درِ شہوار سلوٰی کی مہندی سے ایک دن پہلے جا کر

پروا کو لے آئی۔ سب رشتہ دار جو دوسرے شہروں میں مقیم تھے وہ بھی پہنچ چکے تھے۔ کچھ مہمانوں کو تراب لغاری کی طرف ٹھہرایا گیا تھا۔

مہندی والے دن سب لڑکیاں انہی کی طرف تیار ہو رہی تھیں۔ ہلچل سی مچی ہوئی تھی، ہر کوئی جلدی میں تھا۔ پروا کو دوپٹہ ہی نہیں مل رہا تھا۔ اس نے آتے ساتھ ہی کپڑوں کا بیگ دُرِ شہوار بھابھی کے حوالے کیا تھا۔ وہ بھی تیار ہونے اپنے گھر گئی ہوئی تھیں۔ پروا روہانسی سی ہو گئی کیونکہ سب لڑکیوں کی تیاری فائنل مراحل میں تھی، ایک وہی تھی جو نہا کر بال کھولے ایسے ہی گھوم رہی تھی۔ ایک بار پھر اس نے سلویٰ کا سارا کمرہ دیکھا پھر باتھ روم تک چیک کیا، دوپٹہ یہاں ہوتا تو ملتا۔ بڑی دیر بعد اسے سلویٰ سے پوچھنے کا خیال آیا تو اس نے کہا کہ تمہارے کپڑوں کا بیگ بھابھی نے تایا ابو کی طرف رکھوایا ہے، بلکہ اور کزنز کی بھی سب چیزیں ادھر ہی ہیں۔ اسے خود پہ غصہ آ گیا۔ اگر خود ڈھونڈنے کے بجائے وہ سلویٰ سے پوچھ لیتی تو اتنا ٹائم تو صرف نہ ہوتا۔ وہ اب تک تیار ہو چکی ہوتی۔

"پروا! جاؤ بھابھی بھی ادھر ہی ہیں، تم بھی جا کر ادھر ہی تیار ہو جاؤ، ادھر تو ہر چیز بکھری ہوئی ہے۔" وہ اسے ہنوز اپنی جگہ کھڑا دیکھ کر بولی۔

"میں کس کے ساتھ جاؤں تمہارے تایا کے گھر، میں پہلے کبھی نہیں گئی۔" اس کی بے چارگی دیدنی تھی۔

"یہ ساتھ ہی تو گھر ہے، بھابھی بھی ادھر ہیں، میری کزنز بھی۔ سب جانتے ہیں تمہیں مائی ڈیئر!" وہ پیار سے اس کی تھوڑی چھو کر بولی۔

"چلو میں جاتی ہوں۔" اس نے سر پہ اسکارف اچھی طرح اوڑھ کر دوپٹہ شانوں پہ پھیلایا۔

کچھ ہچکچاتے ہوئے وہ "تراب منزل" کے گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔ سب سے پہلے سامنا دُرِ شہوار بھابھی سے ہوا۔

"ارے اچھا کیا تم بھی آ گئیں۔ تمہارے کپڑے میں نے پریس کروا دیے ہیں۔ اوپر والے بیڈ روم میں ہیں۔ جاؤ فٹافٹ پہنو، باقی سب بھی تیار ہو رہی ہیں۔ میں ابھی تمہیں خود بلوانے والی تھی۔" وہ تیز تیز بولتی بہت مصروف نظر آ رہی تھیں۔

دُرِ شہوار کمرے کی طرف اشارہ کر کے خود جانے کہاں غائب ہو گئیں۔ اُدھر بھی اچھی خاصی ہلچل مچی ہوئی تھی۔ راجیہ کہیں نظر نہیں آ رہی تھی اسے۔

کچھ سوچتے ہوئے اس نے دُرِ شہوار بھابھی کے بتائے ہوئے کمرے کا دروازہ کھولا۔ اُدھر کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے اندر آ کر اپنے کپڑے دیکھے۔ مگر کپڑے تو در کنار اسے کپڑوں کی جھلک تک نظر نہیں آئی، وہ باہر نکلنے ہی لگی تھی کہ کوئی تیزی سے اندر آیا۔

فیصل بھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ وہ اس طرح اس کے بیڈ روم میں ہوگی۔

"اصل میں دُرِ شہوار بھابھی نے کہا تھا کہ میرے کپڑے اس کمرے میں ہیں، میں ان ہی کے لیے آئی تھی کیونکہ میرا بیگ بھابھی نے اِدھر رکھوایا تھا۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ یہ آپ کا کمرہ ہے اور میرے کپڑے کہیں اور ہیں۔" زندگی میں پہلی بار اس کا لہجہ لڑکھڑایا تھا اور اعتماد بھی پہلی بار کم ہوا تھا۔ وہ نروس سی تھی۔

"السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟" فیصل نے گویا کچھ سنا ہی نہیں۔ اس کی نگاہوں میں دلچسپی کی اتنی گہری چمک تھی کہ پروا کو صاف محسوس ہو رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ بھابھی سے پوچھوں اپنے کپڑوں کا۔" وہ سائیڈ سے ہو کر باہر نکلی۔ وہ سیڑھیاں اتر رہی تھی جب راجیہ پہ نظر پڑتے ہی اسے کچھ اطمینان کا احساس ہوا۔

"میرے کپڑے کہاں ہیں راجیہ! کب سے ڈھونڈ رہی ہوں۔"

"وہ تو ادھر پڑے ہیں اور تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔" اس نے سامنے والے کمرے کی طرف اشارہ کیا اور ساتھ ہی سوال بھی کر ڈالا۔ "مجھے پتا نہیں تھا کہ میرا بیگ بھابھی نے یہاں رکھوایا ہے۔ سلویٰ نے ابھی بتایا مجھے۔" اس کا اعتماد بحال ہو چکا تھا۔

"ہاں جلدی کرو، ہم لوگ مہندی سجا رہے ہیں۔"

وہ تیزی سے کوریڈور میں غائب ہو گئی۔

☆ ☆ ☆
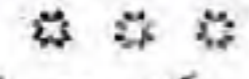
پروا نے سکون سے کپڑے پہنے۔ لمبے بالوں کی چوٹی بنائی اور آخر میں موتیے کے گجرے دونوں کلائیوں میں پہنے۔ مہندی کے فنکشن کی مناسبت سے اس نے بہت خوب صورت کامدار سوٹ پہنا تھا اور ہلکا پھلکا میک اپ بھی کیا تھا۔ اس کے نقش بول اٹھے تھے کہ ہاں تم سراہے جانے کے قابل ہو۔ آئینے کی گواہی پہ وہ مسرور سی تھی۔

بالوں کی موٹی چوٹی آگے سائیڈ پہ ڈالے دوپٹہ اسٹائل سے سر پہ جمائے وہ تیار ہو کر سلویٰ کے پاس آ گئی۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو۔" سلویٰ نے اسے پاس بٹھا لیا۔

"تم رسم کے دوران میرے ساتھ ہی رہنا تاکہ سب کو پتہ تو چلے کہ پروا اورنگزیب میری دوست ہے۔" سلویٰ کی حد درجہ محبت پہ وہ مسکرا دی۔

"میں تمہارے ساتھ ہی رہوں گی، [illegible] لیکن ڈانس اور لڈیاں مجھے نہیں آتیں۔ تم کو پتہ ہی ہے میں اس طرح کے کاموں سے دور ہی رہتی ہوں۔" وہ نخوت سے ناک چڑھاتے ہوئے بولی۔

"ہاں تم سب سے منفرد ہو الگ تھلگ۔" سلویٰ کی تعریف پہ اس کا سر کچھ اور بھی اونچا ہو گیا۔

سلویٰ کی سسرال سے مہندی آئی تو پہلے ٹپوں کا مقابلہ ہوا۔ اس کے بعد مہندی کی رسم کا آغاز ہوا۔

پھولوں سے سجے اسٹیج پہ سلویٰ، پروا اور دیگر دوستوں کے جھرمٹ میں آئی۔ پروا سلویٰ کے دائیں طرف تھی۔ اسی طرف کچھ ہی فاصلے پہ فیصل لغاری بابر کے ساتھ کھڑا تھا۔ ساری روشنیاں جیسے اسٹیج پہ مرتکز تھیں۔ ان سب کے حصار میں وہ اسے سب سے قابل توجہ لگی۔

ان سب لڑکیوں اور عورتوں کے درمیان وہ واحد لڑکی تھی جس نے دوپٹہ سر پہ اوڑھا ہوا تھا اور اس اسٹائل سے اوڑھا تھا کہ دوپٹے کا حسن کئی گنا بڑھا دیا تھا۔ فیصل کی نگاہ ایک بار پھر بھٹک چکی تھی۔

پروا کو بھی کسی کی نگاہوں کے ارتکاز کا احساس ہو چکا تھا مگر اس نے جاننے کی کوشش نہیں کی کہ وہ کون ہے۔ لیکن بابر سے اس کی یہ بے تابی آج پوشیدہ نہیں رہ پائی تھی۔

"فیصل! کیا بات ہے ڈسٹرب ہو؟" بابر نے انجان بننے کا مظاہرہ کرنا بہتر سمجھا کیونکہ ایک بار پہلے وہ اس کا جارحانہ رویہ دیکھ چکا تھا۔

"ہاں نہیں تو۔" آج پہلی بار اس کا لہجہ اعتماد سے خالی تھا۔

"ہوا کیا ہے آخر؟" اس شور میں خاصی اونچی آواز میں وہ اس کے کان کے پاس منہ لا کر بولا۔

"کچھ کھو گیا ہے یار!" بے اختیاری میں اس کے لبوں سے یہ جملہ پھسلا۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

"کمال ہے فیصل لغاری آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹیز کا بھی کچھ کھو سکتا ہے۔" بابر کا لہجہ اتنا معنی خیز تھا کہ اس نے آنکھیں پھیر لیں۔

"یہ جو شاعر لوگ ہوتے ہیں نا بہت حساس ہوتے ہیں اور یہ جو پروا اورنگزیب ہے اس میں انتہا کی پائی جاتی ہے۔ تم پولیس آفیسر اور وہ شاعرہ، تم آہن وہ شبنم، نرم و نازک احساسات سے گندھی لڑکی۔ دیکھنا کہیں آبگینوں کو ٹھیس نہ لگ جائے۔ دھیان رکھنا۔ تم نے اب تک جتنی لڑکیوں سے دوستی کی ہے پروا ان سے مختلف سی ہے۔ کچھ دن پہلے وہ ہمارے ہاں آئی تو سلویٰ اور وہ دونوں باتیں کر رہی تھیں۔ پروا نے سلویٰ سے کہا کہ میں مضبوط رشتوں پہ یقین رکھتی ہوں۔ ان کے علاوہ میں عورت مرد کی دوستی پہ یقین نہیں رکھتی۔ شاید لڑکے لڑکیوں کی فرینڈشپ پہ باتیں ہو رہی تھیں۔ میری موجودگی ان دونوں کو ہی محسوس نہیں ہوئی۔ میں چپکے سے اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس دن سے پروا میرے لیے قابل احترام ہو گئی ہے بالکل سلویٰ کی طرح۔ میں دل سے اس کی عزت کرتا ہوں کہ کتنی مضبوط

سوچ ہے اس کی اور تمہاری فرینڈشپ جن کے ساتھ ہے میں ان کے بارے میں بھی اچھی طرح جانتا ہوں۔ مجھے پتا ہے تم مشکل پسند ہو۔ تم نے وہ کیسز بھی ری اوپن کیے ہیں جن کے حل ہونے کی امید نہیں تھی۔ تم نے مشکل کاموں میں ہاتھ ڈالا ہے اور کامیاب رہے۔ تمہارے ڈپارٹمنٹ کو اگر تم پہ فخر ہے تو ٹھیک ہے مگر فیصل! یہاں بات یہ نہیں ہے۔ تم سمجھ گئے ہو گے۔"

بابر اسے سوچتا چھوڑ کر سلویٰ کے پاس اسٹیج پہ چلا آیا۔

چند ہی لمحوں میں فیصل بھی اس کے پیچھے تھا۔

"تم بہت پیاری لگ رہی ہو۔ اپنی نظر اتروا لینا۔ ادھر کچھ لوگوں کی نظر ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے بڑے بے ضرر انداز میں پروا کی تعریف کی اور ساتھ ہی فیصل پر چوٹ بھی کر گیا۔ وہ اس کی تعریف پہ چند ثانیے کے لیے سرخ سی ہو گئی۔

فیصل آگے بڑھ آیا۔ مہندی کی طشتری سے مہندی اٹھا کر سلویٰ کی ہتھیلی پہ رکھی پھر اسے مٹھائی کھلائی۔ اس کے دائیں جانب بیٹھ گیا۔ بائیں سائیڈ پہ پہلے ہی پروا بیٹھی تھی۔ فوٹو سیشن ہو رہا تھا' ساتھ مووی بن رہی تھی۔

بابر کی ساری باتوں کو ذہن سے جھٹکتے ہوئے اس نے پروا کا خوب اچھی طرح پل بھر میں جائزہ لے ڈالا۔

"آرام سے جناب!" بابر نے بھی اس کے پاس جگہ سنبھال لی اور اس کی کھلے عام نظروں کی چوری پکڑ لی۔

"یہ تمہاری کسٹڈی میں آیا ہوا کوئی مجرم نہیں ہے جو اسے گھور رہے ہو۔"

"تو کیا کروں تم ہی بتاؤ؟" فیصل نے پل بھر میں اپنے سب ہتھیار پھینک دیے۔

"تم جس طرح اسے دیکھ رہے ہو وہ بہت سے لوگوں کو باتیں بنانے پہ اکسا سکتی ہے۔ کچھ اپنی عزت کا ہی خیال کر لو۔ میں تمہیں اتنا بے اختیار نہیں سمجھتا تم نے پہلے تو کبھی ایسا نہ کیا۔" بابر کی آواز اتنی آہستہ تھی کہ صرف فیصل ہی سن پا رہا تھا۔

"پہلے کبھی ایسا ہوا بھی تو نہیں۔" اس کا لہجہ اور انداز پٹھو اور چغلی کھا رہا تھا۔ اس کے بعد فیصل وہاں رکا نہیں۔ بابر ایک جملے سے بہت کچھ سمجھ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

رات قطرہ قطرہ بھیگ رہی تھی۔ مہندی کی رسم ختم ہو چکی تھی۔ لڑکیاں بالیاں جاگ رہی تھیں۔ حنان' بابر' فیصل کے ساتھ ان کے کچھ اور کزنز بھی کھلے آسمان تلے بچھی چاندنیوں پہ بیٹھے تھے۔ ادھر بہت رونق سی تھی۔ سلویٰ نے اچانک پروا سے اپنا کلام سنانے کی فرمائش کر دی۔ اس کی کمزور سی ناں ناں کے آگے ان سب کا اصرار جیت گیا۔

"میں اپنے مجموعۂ کلام سے ایک غزل سنا رہی ہوں۔" فیصل کا روم روم پروا کی طرف متوجہ ہوا۔

راحیلہ کی نگاہ اچانک فیصل پہ پڑی تھی۔ وہ یک ٹک والہانہ انداز میں پروا کو دیکھ رہا تھا۔ جس کی دلکش آواز رات کے سناٹے میں الوہی سا اثر چھوڑ رہی تھی۔

حسد کی ایک تیز لہر نے اسے پل بھر میں شرابور کر ڈالا تھا۔

تیری شدت پسندی سے مجھے خوف آتا ہے
مت ٹوٹ کر چاہو مجھے میرے پاگل

بابر نے اس کی وارفتہ کیفیت پر پروا کا شعر سنا کر گویا کوئی نصیحت کرنے کی کوشش کی۔

دامن بہت کھینچا کچھ سوالوں نے میرا
دل مگر آج تک ہوا نہیں کسی پہ مائل

جواباً فیصل نے بھی پروا کا شعر سنا کر ایک خوب صورت سی حقیقت سے روشناس کرایا۔

"تمہاری شاعرہ صاحبہ کے دل کا ورق خالی ہے۔ کیا سمجھے؟ کچھ دریافت کرنے کا سہرا میرے سر ہی ہو گا۔"

"اگر تم سنجیدہ ہو تو میری نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

"میں سو فی صد سنجیدہ ہوں۔ لائف پارٹنر مجھے پروا جیسا ہی چاہیے۔"

"بس پھر فکر نہ کرو۔" بابر نے شرارت سے اس

کے کندھے پہ ہاتھ مارا۔

☆ ☆ ☆

پروا سلویٰ کے کمرے میں سونے کے ارادے سے جا رہی تھی۔

"ایک منٹ رکیں۔" جانے کہاں سے اچانک فیصل لغاری اس کے سامنے آ گیا تھا۔ اس اچانک تصادم پہ پروا ڈر سی گئی۔

"میں بھی آپ کا فین ہوں۔ آٹوگراف تو دے دیں۔" وہ اپنی شرارتوں کو معصومیت میں چھپا چکا تھا۔

بابر بھائی' سلویٰ اور دُرِشہوار بھابھی سے وہ فیصل لغاری کی بہت تعریفیں سن چکی تھی۔ مگر اس وقت ایک بارعب سے پولیس آفیسر سے زیادہ وہ عام سا نوجوان لگ رہا تھا۔

"مگر اس وقت میرے پاس پین نہیں ہے اور آپ کہاں لیں گے آٹوگراف؟" پروا کی نظروں سے لگ رہا تھا وہ بے حد حیران ہے جو رات کے اس پہر اس سے آٹوگراف کی فرمائش کر رہا ہے۔

"پین تو ہے میرے پاس یہ لیں۔" اس نے پاکٹ سے نکال کر اپنا قیمتی پین پروا کی طرف بڑھا دیا۔

"لکھوں کہاں پہ؟ آپ کے پاس کچھ ہے ہی نہیں۔" وہ جھنجلاہٹ کا شکار ہو رہی تھی اور فیصل کو اس وقت بہت لطف آیا۔

"میں نے سنا ہے آپ منفرد سی ہیں کچھ تو میں بھی کچھ مختلف کرنے کا عادی ہوں یوں کریں یہاں شرٹ کے کالر پہ آٹوگراف دے دیں میں پھر اسے سنبھال کر رکھ لوں گا۔" اس نے اوپری دو بٹن کھول کر کندھے پروا کی طرف جھکا دیا۔ کیونکہ وہ پروا سے دراز قد تھا اور وہ بمشکل اس کے کندھے سے نیچے تک پہنچ پا رہی تھی۔

فیصل کی اس اعلا درجے کی بے باکی پہ پروا کے ماتھے پہ پسینے کے قطرے جگمگانے لگے۔ راحیلہ ادھر ہی آ رہی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے پروا!" راحیلہ کا لہجہ ہرگز عمومی سا نہیں تھا۔ وہ مسلسل فیصل کو واچ کر رہی تھی۔

اب بھی فیصل کو اس کے پاس کھڑے دیکھ کر راحیلہ کو اندر آگ سی سلگنے لگی۔ اپنی یہ کیفیت اسے خود بھی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

"کچھ خاص نہیں' فیصل صاحب آٹوگراف مانگ رہے ہیں۔" پروا کا اعتماد واپس لوٹ آیا۔

"اوہ اچھا۔" اس نے اچھا کو جیسے چبا کر ادا کیا۔ فیصل کو اس کی یہ مداخلت ذرا بھی اچھی نہیں لگی تھی۔

"اوکے تم دو آٹوگراف میں سونے جا رہی ہوں۔ رات ویسے بھی کافی زیادہ ہو گئی ہے۔" راحیلہ نے اپنے طنزیہ لہجے کو الفاظ میں چھپانے کی ناکام کوشش کی۔

"اس وقت کوئی بھی آٹوگراف نہیں فیصل صاحب! کل لوں گے۔" وہ ان دونوں کو وہیں چھوڑ کر آ گئی۔ اپنے غصے پہ اس نے بمشکل قابو پایا تھا۔

یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ فیصل لغاری کی نگاہوں کی تپش سے بے خبر رہتی۔ سلویٰ اور دُرِشہوار بھابھی سے وہ اس کی وہ ستائش کے قصے سن چکی تھی۔ اس کی جاب' فیملی اور پرسنالٹی سب کچھ ہی تو اس کے سامنے تھا۔ پھر اس کی نگاہیں پروا کو کوئی پیغام دیتی محسوس ہوتیں مگر وہ اپنے دل میں کسی غلط فہمی کو جگہ دینا نہیں چاہتی تھی۔ وہ فیصل لغاری کے لیے "صرف ٹائم پاس لڑکی" نہیں بننا چاہتی تھی۔

خاندان اور خاندان سے باہر بہت سے اچھے گھرانے اسے اپنے گھر کا چاند بنانا چاہ رہے تھے۔ خود اقراء بھی چاہ رہی تھیں کہ وہ جلد از جلد اپنے گھر کی ہو جائے مگر اس نے صاف کہا تھا جب تک میری تعلیم مکمل نہیں ہوتی میں شادی کا نام بھی نہیں سننا چاہتی۔ اقراء مجبور تھیں کیونکہ انجم بھی اس معاملے میں بیٹی کے ہم نوا تھے۔ ورنہ کتنے اچھے اچھے لوگوں کے رشتے تھے جن کو صاف انکار کرتے ہوئے انہیں کچھ دکھ ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

سلویٰ تو تیار ہو کر پارلر سے سیدھی میرج ہال چلی

تھی۔ وہ اس کے ساتھ تھی۔ پروا کو باہر گھر لے آیا۔ اکثر لڑکیاں اور مہمان ہیمن ہال جا چکے تھے۔ گھر میں دُرِ شہوار اور کچھ خواتین تھیں۔ پروا کو دیکھ کر دُرِ شہوار کو یاد آیا کہ وہ ابھی تک ان ہی کپڑوں میں گھوم رہی ہے۔

"پروی جاؤ مما کی طرف تمہارے کپڑے اور دیگر چیزیں ریڈی ہیں فوراً چینج کر آؤ ٹائم کم ہے۔"

"مگر..." پروا ہچکچا رہی تھی۔

"گھر میں کوئی نہیں ہے صرف ملازم ہی ہیں تم جلدی کرو پھر اکٹھے نکلتے ہیں۔" وہ خود عجلت میں جیولری پہن رہی تھی۔

پروا آئی تو زینو سے سامنا ہوا۔ اسے دُرِ شہوار پہلے ہی بتا چکی تھی۔ اس نے پروا کے استری کیے ہوئے کپڑے لا کر تھمائے۔

"آپ نہا لیں بی بی جی! میں نے باتھ روم ابھی کچھ دیر پہلے ہی دھویا ہے۔" زینو بہت پھرتی دکھا رہی تھی۔

پروا دس منٹ سے بھی کم وقت میں شاور لے کر نکل آئی۔ کپڑے پہننے کے بعد وہ جوتے پہن رہی تھی جب فیصل بھی ڈریس اپ ہو کر نیچے اترا۔ پروا کا سرا سکارف کی قید سے آزاد تھا اور دوپٹہ جو ہر وقت اس کے وجود کو چھپائے رکھتا تھا' سائیڈ میں صوفے پہ پڑا تھا۔ وہ صوفے پہ بیٹھی نیچے جھک کر نازک سی جوتی کے اسٹریپ بند کر رہی تھی بال سارے ایک سائیڈ پہ جھک آئے تھے۔ فیصل نے اس منظر کی ایک ایک تفصیل اپنے اندر محفوظ کر لی۔ پروا کو اس کی آمد کا پتہ چل گیا۔ پہلے اس نے جلدی میں صوفے پہ پڑا دوپٹہ اٹھایا اور کھول کر سر پہ ڈالا۔

"میرا خیال ہے آپ کافی ویل مینرڈ اور پڑھے لکھے ہیں یوں کسی کو گھور گھور کر دیکھنا سراسر اخلاقیات کے خلاف ہے۔" وہ غصے میں تھی اپنی جھونک میں اٹھ کر باہر نکلی تو چند قدم چلنے کے بعد ہی پاؤں بری طرح مڑا۔ تکلیف کی شدت سے ہلکی سی چیخ اس کے لبوں سے برآمد ہوئی۔ تب تک فیصل اس کے قریب پہنچ گیا۔ مگر پروا نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظرانداز کر دیا۔

"فیصل لغاری! میں کسی کو اپنے ساتھ فلرٹ کرتا ہوا نہیں دیکھ سکتی اور نہ میں اتنی گئی گزری ہوں کہ مجھے کوئی وقت گزاری کا ذریعہ بنائے۔" پروا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ وہ لنگڑاتے ہوئے وہاں سے نکلی تھی۔

ادھر غصے کی شدت سے فیصل کے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے تھے۔ وہ اسے فلرٹی سمجھ رہی تھی جب ہی تو آرام سے کہہ گئی تھی۔

"ٹھیک ہے پروا بی بی! ایسا ہے تو ایسا ہی سہی تم مضبوط رشتوں پہ یقین رکھتی ہو تو میں بھی تم کو اٹوٹ بندھن میں باندھنے کے بعد ہی بات کروں گا۔"

وہ ایک ارادے پہ ٹھہرنے کے بعد شانت ہو چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

فیصل آج گھر پہ ہی تھا۔ کافی عرصے کے بعد چھٹی بھرپور انداز میں انجوائے کرنے کا موقع ملا تھا۔ بابر بھی اس کے ساتھ تھا۔ رات کے کھانے پہ پوری فیملی اکٹھی تھی۔

زینو نے کھانے کے بعد برتن اٹھائے۔ تراب لغاری نے سب کے چہروں پہ نظر ڈالی۔ اب ان کی نگاہیں فیصل پہ فوکس تھیں۔ صفورا بیگم بھی ادھر متوجہ تھیں۔

"فیصل! میں اور ماں جی سوچ رہے ہیں کہ اب تمہاری شادی ہو جانی چاہیے۔" تراب لغاری کا لہجہ بہت خوشگوار تھا۔

"جی میں خود آپ سے یہی بات کرنے والا تھا۔"

"چلو تم ہی بتا دو کہ کیا ارادہ ہے تمہارا؟" انہوں نے دوستانہ انداز میں پوچھا۔ بابر اس دوران خاموش رہا۔

"پاپا! میں پروا الوز گل سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

ایک ثانیے کے لیے کمرے میں خاموشی سی چھا گئی۔

"بہت اچھی بات ہے میں پہلے ان کی فیملی سے ملنا چاہوں گا۔" تراب کا رویہ ہنوز دوستانہ ہی تھا۔

دُرِ شہوار نے [illegible] سانس خارج کی۔

"یا اللہ [illegible] بہت اچھے اور [illegible] یا اللہ [illegible] اور خود پروا [illegible]" دُرِ شہوار کو یقیناً خوشی ہو [illegible]

[illegible] نے تو سوچ رکھا تھا کہ راجیہ اس [illegible] بہن بھائی کا رشتہ اور بھی مضبوط [illegible] فیصل کی خوشی۔" صفورا بیگم افسردہ تھیں۔ وہ راجیہ اور فیصل کے رشتے کے بارے میں تراب سے بات کر چکی تھیں۔ انہوں نے کہا تھا جو فیصل کی خوشی اور مرضی ہوئی تو وہ راجیہ کو بہو بنانے میں دیر نہیں لگائیں گے۔ اب اس نے صاف طور پر انکار کیا تو ان کی رہی سہی امید بھی دم توڑ گئی۔

"ماں جی! فیصل نہ سہی مگر راجیہ ہماری بہو ضرور بنے گی کیونکہ حنان نے شادی کا معاملہ کلی طور پر ہمارے سپرد کر دیا ہے۔ میری مرضی ہے کہ حنان اور فیصل کی شادی اکٹھے ہو۔"

تراب لغاری کی بات پہ صفورا بیگم کا چہرہ یوں بھرپور خوشی سے چمک اٹھا۔ وہ یہ خوشخبری بیٹی کو سنانے کے لیے اسے فون کرنے لگیں۔

ادھر دُرِ شہوار پروا کی فیملی کے بارے میں تراب لغاری اور مما کو تفصیل سے بتا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"فیصل نہ سہی حنان ہی سہی۔ کم وہ بھی نہیں ہے۔ میرے لیے تو دونوں برابر ہیں۔ تراب بھائی سے تعلقات اور بھی مضبوط ہو جائیں گے۔" مما اسے پھپھو کی فون کال کے بارے میں بتا رہی تھیں۔ مگر راجیہ کو ایک ہی بات یاد رہی تھی کہ فیصل نے پروا کے بارے میں اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا ہے اور ماموں کی فیملی جلد ہی پروا کے گھر جائے گی۔

راجیہ نہ جانے کب سے فیصل کو چپکے چپکے پسند کرنے لگی تھی۔ حالانکہ اس نے صاف طور پہ کہہ دیا تھا کہ اپنے خاندان کی سب لڑکیاں اس کے لیے بہنوں کی طرح ہیں پھر بھی وہ اسے من مندر کا دیوتا بنائے رہی۔ اسے اچھی طرح خبر تھی کہ فیصل نے اگر کہہ دیا ہے تو پھر اس کے ساتھ اس کی شادی ناممکنات میں سے ہے۔ مگر پروا کے بارے میں اس کا کھلا اظہار پسندیدگی اس سے کسی طرح بھی برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

پروا نے فیصلے کا اختیار ماں باپ کے سپرد کر دیا تھا۔ اپنے تئیں وہ اس بوجھ سے آزاد ہو گئی تھی مگر دل میں کھٹک سی تھی۔

ادھر انجم فیصل کے بارے میں ضروری معلومات کروا چکے تھے۔ اقراء سے مشورہ کیا تو وہ بھی مطمئن تھیں۔ بس ایک بات کچھ پریشانی والی تھی کہ فیصل لغاری کی فیملی ان سے سماجی حیثیت اور مرتبے میں زیادہ تھی۔ وہ بھی کھاتے پیتے خوشحال گھرانے سے تعلق رکھتے تھے مگر ان کے مقابلے میں وہ کچھ بھی نہیں تھے۔ اللہ پہ بھروسہ کرتے ہوئے انہوں نے تراب لغاری کو ہاں کہلوا دی۔

فیصل کو بے اندازہ خوشی ہوئی۔ اتنی آسانی سے وہ حاصل ہونے جا رہی تھی۔ اس نے تراب لغاری اور نیلم سے کہا تھا وہ ڈائریکٹ نکاح کرنا چاہتا ہے۔ مگر انجم نے کہا کہ وہ پروا کے یونیورسٹی سے فارغ ہونے کے بعد ہی شادی کریں گے فی الحال صرف منگنی ہو گی۔

پروا نے صاف کہہ دیا تھا کہ منگنی پہ دھوم دھڑکا نہیں ہو گا' نہ زیادہ لوگوں کو بلوانا ہے' صرف گھر والے ہی ہوں۔

اور پھر سادہ سی تقریب میں نیلم نے پروا کو فیصل کے نام کی انگوٹھی پہنا دی۔

☼ ☼ ☼

فیصل دیکھنا چاہتا تھا' پروا سے نئے رشتے میں منسلک ہونے کے بعد اس کے تاثرات اور خیالات کیسے ہیں۔ منگنی ہو چکی تھی اپنے حساب سے اب وہ سب کچھ جاننے کا حق رکھتا تھا۔ ان ہی خیالات میں

فلاظ وہ بطورِ خاص ان کے گھر آیا۔ ہونے والے داماد کی حیثیت سے یہ اس کی پہلی آمد تھی' سو اقراء اور انجم کی خوشی دیدنی تھی۔ انجم اپنے کلینک میں تھے' اقراء نے فون کر کے انہیں بھی گھر بلوا لیا۔ وہ اب کچن میں تھیں اس کی خاطر پرتکلف ڈنر کا اہتمام کر رہی تھیں۔

جس کے لیے فیصل یہاں آیا تھا وہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ ایک گھنٹہ تو اسے بھی یہاں آئے ہو گیا تھا۔ بالآخر اس سے رہا نہیں گیا' پوچھ ہی بیٹھا۔

"انکل! پروا کہاں ہے؟ نظر نہیں آ رہی ہے۔"

"بیٹا! وہ ریڈیو اسٹیشن گئی ہوئی ہے رطابہ کے ساتھ۔ مشاعرے کی ریکارڈنگ کے لیے۔" انہوں نے مختصراً بتایا تو اس کی خوشی یکدم ماند سی پڑ گئی۔

انجم اور اقراء نے کھانا کھائے بغیر اسے اٹھنے نہیں دیا' حالانکہ اسے بالکل بھی بھوک نہیں تھی۔ مجبوراً ان کی خوشی کے لیے کھانے میں شریک ہوا۔ کھانے کے بعد وہ ان سے اجازت لے کر نکلا تو تب بھی پروا نہیں لوٹی تھی۔ اس کے ارمانوں پہ اوس سی پڑ گئی تھی۔

اسے نکلے ہوئے مشکل سے پانچ منٹ ہی ہوئے تھے جب پروا گھر واپس آئی۔ رطابہ اس کے ساتھ تھی۔ پروا کے چچا کی بیٹی تھی دونوں میں خوب بنتی تھی۔

"مما کون آیا تھا؟" پروا کچن میں پانی پینے کے لیے آئی تو سنک میں گندے برتنوں کا انبار دیکھ کر پوچھ بیٹھی۔

"فیصل آیا تھا' ابھی دس منٹ ہوئے واپس گیا ہے۔"

"اوہ اچھا!" اس نے پانی کا گلاس منہ سے لگایا اور گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔ "تمہارے انتظار میں کافی دیر بیٹھا رہا۔" مما نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔

"ریکارڈنگ میں ہی کافی دیر لگ گئی مما' ورنہ میں جلدی آ جاتی۔"

اس کا سیل بڑی زوردار آواز میں گنگنایا۔ وہ باتھ روم میں منہ ہاتھ دھو رہی تھی' تیزی سے نکلی اور سیل اٹھایا' تب تک فون بند ہو چکا تھا۔ اس نے نمبر دیکھا۔ یکسر اجنبی اور انجان نمبر تھا۔ اس نے دیکھ کر واپس رکھ دیا۔

فیصل نے غصے سے سیل فون گاڑی کے ڈیش بورڈ پہ پھینکا اور یکدم ہی اسپیڈ بڑھا دی۔ درشہوار سے اس نے پروا کا نمبر لیا تھا۔ لیکن کال آج اس نے پہلی بار کی تھی کہ اسے بتائے گا اپنی آمد اور انتظار کا۔

گھر آیا تو بابر اور درشہوار آئے بیٹھے تھے۔

"کہاں گئے تھے آج شام سے نظر ہی نہیں آئے۔" بابر نے استفسار کیا۔

"میں انجم انکل کی طرف گیا تھا۔" وہ مختصراً بتا کر ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

"اوہ یعنی کوچۂ جاناں کا طواف کرنے۔" بابر نے بڑی آہستہ آواز میں کہا تو نہ چاہتے ہوئے بھی فیصل کے لبوں پہ مسکراہٹ آ گئی۔

"کیسی تھیں ہماری بھابھی؟" درشہوار بھی قریب کھسک آئی۔

"وہ تو مشاعرے کی ریکارڈنگ کے لیے ریڈیو اسٹیشن گئی ہوئی تھی۔" درشہوار کے طرزِ تخاطب پہ اس کا سارا غصہ پل بھر میں ہوا ہو گیا۔

"ویری سیڈ یار!" بابر نے مصنوعی دکھ کا اظہار کیا تو فیصل ہنس پڑا۔

"فکر نہ کرو اب افسوس کی نوبت نہیں آنے گی کیونکہ پاپا اور مما حنان کی شادی کرنا چاہ رہے ہیں اور میرا ارادہ ہے کہ حنان کی شادی کے ساتھ میری بھی ہو جانی چاہیے۔ پاپا سے کہوں گا انجم انکل سے بات کریں۔"

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے کیونکہ مجھے نہیں لگتا کہ اب تم زیادہ انتظار کرو گے۔" بابر نے آخری جملہ اس کے کان میں کہا۔

"انتظار بڑی بری چیز ہے' کبھی محبت کی ہو تب نا۔"

"مجھے یقین نہیں آ رہا یہ جملہ ایک پولیس آفیسر کے منہ سے نکلا ہے۔"

"حسِ لطیف مجھ میں بھی پائی جاتی ہے۔ بس پتہ ہی نہیں چلا اور یہ محترمہ دھڑلے سے یہاں براجمان ہو گئیں۔" درشہوار کی موجودگی کے خیال سے وہ آہستہ آواز میں بولا تو بابر اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"اب اونٹ پہاڑ کے نیچے آیا ہے۔"

"پروا مت کرو' لوٹنے کے مجھے اونٹ بنا کر رکھ دیا۔ اتنا بھی الو نہیں ہوں جتنا تم نے سمجھ لیا ہے۔ اپنی انا اور شخصیت کے معاملے میں میں کبھی بھی کوئی سمجھوتا نہیں کروں گا' سمجھ آئی کہ نہیں۔" فیصل کا لہجہ یکدم سنجیدہ ہوا۔ بابر وہیں چپ ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

راحیہ کی شادی کی تاریخ طے ہوئی تو وہ بھی سلویٰ کی طرح یونیورسٹی سے غائب تھی۔ پروا سلویٰ کو بہت مس کر رہی تھی۔ ایک ماہ پہلے ہی وہ دبئی اپنے میاں کے پاس پہنچ گئی تھی۔ اب راحیہ کی بھی شادی ہو رہی تھی وہ بھی نہیں آ رہا تھا۔ راحیہ کا رویہ اگرچہ پہلے کی طرح بھرپور گرم جوشی لیے ہوئے نہیں تھا مگر اس کے باوجود پروا کے خلوص میں کمی نہیں آئی تھی۔ مما نے اسے بتایا تھا کہ فیصل کے گھر والے شادی پہ زور دے رہے ہیں۔ وہ جھنجلا سی گئی تھی۔

"مما ابھی بہت بزی ہوں۔ اسٹڈی' مشاعروں کی ریکارڈنگ' مشاعروں میں شرکت اور پھر پڑھائی ختم ہونے تک میں اس موضوع کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتی۔" اس نے بات ہی ختم کر دی تھی۔ ادھر فیصل تک پروا کا جواب پہنچا تو اسے بہت غصہ آیا۔ مگر مما نے کہا کہ چھ سات ماہ میں وہ یونیورسٹی سے فری ہو جائے گی تب ہم خوب دھوم دھام سے اپنے ارمان نکالیں گے۔ ان کی وضاحت سے فیصل کی خفگی ختم نہیں ہوئی۔ گھر میں حنان کی شادی کی تیاریوں کی وجہ سے چہل پہل سی تھی۔ اسے وہ یاد آتی تو اس کا جی چاہتا خود پروا کے پاس جائے اور اس کی بودی سی دلیل کے پرخچے اڑا دے۔

مگر دوسرے ہی ثانیے کچھ سوچ کر وہ کمزور پڑ جاتا۔ پتہ نہیں کیوں وہ دل کو بھا گئی تھی۔ اس وقت کو کوستا جب مشاعرے میں گیا تھا اور وہ محبت کی انجانی' ان دیکھی ڈور میں جکڑا گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

حنان کی مہندی کے دن اقراء اور پروا شام کو ہی "زینب منزل" آ گئی تھیں۔ مہندی کی تقریب مشترکہ تھی اس لیے مہمان بہت زیادہ تھے۔ فیصل اور حنان کی کزنز کاموں میں لگی ہوئی تھیں۔ کیونکہ تقریب کا اہتمام گھر کے وسیع و عریض لان میں کیا گیا تھا' لائٹنگ اور فلورل ڈیکوریشن مکمل تھی۔ اسٹیج مہندی کی رسم کے لحاظ سے سجایا گیا تھا۔ پروا نے مدد کے لیے اپنی خدمات پیش کیں مگر درشہوار نے اسے ہنس کر ایک سائیڈ پہ بٹھا دیا۔ ویسے بھی انتظامات مکمل ہو گئے تھے۔

فیصل' حنان اور دیگر مردوں کے ساتھ انتظامات کا جائزہ لے رہا تھا۔ فارغ ہونے کے بعد فیصل نے حنان کو تیار ہونے کو کہا۔ مہندی کے لیے لڑکوں نے سفید کلف لگے کرتے شلوار بنوائے تھے۔ اب حنان دوستوں کے ساتھ تھا۔ فیصل بھی چینج کر چکا تھا۔ ٹی وی لاؤنج سے گزرتے ہوئے اس کی نگاہ اقراء آنٹی پہ پڑی تھی۔ آنٹی نے پاس آ کر خیریت پوچھی' جواباً انہوں نے اسے دعائیں دیں۔

اب فیصل کی نگاہ پروا کو تلاش کر رہی تھی۔ بالآخر اس کا گوہرِ مقصود نظر آ ہی گیا۔ وہ درشہوار کے ساتھ پھولوں کے گجرے سیٹ کر رہی تھی۔ ساتھ اور لڑکیاں بھی تھیں۔ کافی عرصے کے بعد فیصل نے اسے دیکھا تھا مگر بات کرنے کا موقع نہیں تھا۔ ارد گرد سب موجود تھے۔

"ارے فیصل بھائی! آپ تو عید کا چاند بن گئے ہیں کتنے عرصے کے بعد آپ کو دیکھ رہی ہوں۔" اس کی خالہ کی بڑی بہو نے اسے کھڑے دیکھ کر شکوہ کر ڈالا۔ تب اس نے آگے بڑھ کر حال احوال پوچھا۔

"میری جاب ہی ایسی ہے کہ اپنے لیے بھی فرصت نہیں ملتی۔" اس نے وضاحت سے انہیں مطمئن کرنا چاہا۔ پروا ایک ثانیے کے لیے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

فیصل کے پاس موجود کزنز مسکرانے لگیں۔ ور شہوار کو پروا کی مشکل کا اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ اکیلی تھی ادھر وہ سارا شرارتی ٹولہ تھا۔ اس نے پروا کو بہانے سے وہاں سے ہٹا دیا۔

"فریج میں دیکھو پھولوں کی پتیاں اور گجرے پڑے ہوں گے۔ لے آؤ میں تمہیں بھی پہناؤں گی۔" پروا نے سکون کا سانس لیا۔

ان لڑکیوں کی فضول چھیڑ چھاڑ سے اسے سخت الجھن محسوس ہو رہی تھی۔ فریج کھول کر اس نے دیکھا وہاں گجروں کا نام و نشان تک نہیں تھا البتہ پھولوں کی پتیاں ضرور پڑی تھیں۔

وہ واپس گئی تو فیصل اسی طرح وہاں موجود تھا جس طرح وہ چھوڑ کر گئی تھی' البتہ لڑکیوں کی تعداد کم ہو گئی تھی۔

"مسلمان ہونے کے ناطے سے بندہ سلام ہی کر لیتا ہے۔" فیصل نے گہری نگاہ اس پہ ڈالتے ہوئے کچھ شرمندہ کرنا چاہا تو ور شہوار اور وری مسکرانے لگیں۔

"یونیورسٹی میں پڑھنے اور شاعرہ ہونے کے باوجود آپ اتنی شرمیلی ہیں' مجھے حیرت ہوتی ہے۔" اس نے ایک اور شوشہ چھوڑا۔ جواباً" پروا نے اندرونی غصے پہ قابو پاتے ہوئے نپے تلے انداز میں وضاحت دی۔

"میں شام سے تنگ ہوئی ہوں' آپ پہ نظر ہی کچھ دیر پہلے پڑی اور میں نے آپ کے سلام کا جواب بھی دیا تھا' آپ تک شاید پہنچا نہیں۔ دوسرے آپ کی غلط فہمی دور کر دوں کہ ابھی صرف منگنی ہوئی ہے شادی نہیں اور مجھے اپنی حدود کا خیال رکھنا آتا ہے' شرمانے کی شرط لازمی نہیں ہے۔"

"ارے واہ واہ پروا او زگل تم نے تو لڑکیوں کا سر بلند کر دیا ہے۔ لڑکے منگنی کے بعد بہت ڈیمانڈنگ ہو جاتے ہیں' تم نے آج سچائی واضح کر دی۔" وری نے پروا کی پیٹھ ٹھونکی تو فیصل کو ہنسی آ گئی مگر وہ سنجیدہ ہی رہی۔

مہندی کی پوری تقریب کے دوران وہ الگ تھلگ ہو کر بیٹھی رہی۔ وری نے نوٹ کیا کہ وہ کچھ غصے میں ہے اور اپ سیٹ بھی ہے۔

اسے نہیں پتہ تھا کہ پروا کے غصے کی وجہ کیا ہے۔

ہوا یوں تھا کہ مہمانوں کی آمد ہوتے ہی نیلم نے پروا کو بہت خوب صورت سوٹ پہننے کو دیا۔ مہندی' بارات اور ولیمہ کے لیے انہوں نے خود بطورِ خاص پروا کے لیے سوٹ بنوائے تھے۔ ان کی محبت کے سامنے وہ انکار نہ کر سکی حالانکہ گھر سے تیار ہو کر آئی تھی۔

ور شہوار چینج کیے ہوئے سوٹ سمیت فیصل کے کمرے میں چھوڑ گئی تھی۔ "ادھر تم اطمینان سے چینج کر لو کوئی نہیں آئے گا۔ باقی کمروں کا تو برا حشر ہو رہا ہے۔" وہ دروازہ بند کر کے چلی گئی۔

ادھر فیصل رسٹ واچ کمرے میں بھول گیا تھا۔ یاد آنے پہ وہ اٹھانے کمرے میں آیا تو پروا غیر متوقع طور پہ اپنے کمرے میں موجود پایا جو ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی بالوں پہ برش کر رہی تھی۔

اس کے گھنے دراز کھلے ہوئے بال فیصل نے پہلی بار دیکھے تھے۔ دروازہ لاک نہیں تھا۔ وہ بے دھڑک اندر چلا آیا تھا۔

پروا کو یہاں پا کر دل میں عجیب سی خواہش جاگی تھی۔ اس نے ہاتھ ایک ثانیے کے لیے آٹومیٹک لاک پہ رکھا تھا۔ دروازہ بند ہو چکا تھا۔

پروا کے چہرے پہ اس لمحے بے اختیاری کے جو سائے لہرائے تھے' انہوں نے جیسے فیصل کو گہری کھائیوں میں دھکیل دیا تھا۔

وہ بھاگ کر دروازے کی طرف آئی وہ بچیل کر کھڑا تھا۔ پروا نے غصے میں اسے تقریباً" دھکا دے کر پیچھے کیا۔ اسے شرمندہ سوچوں کے درمیان بھٹکتا چھوڑ کر وہ جا چکی تھی۔

لیکن وہ بتانا چاہتا تھا کہ اسے غلط فہمی ہوئی ہے' جو وہ سمجھی ہے اس کا ارادہ وہ ہرگز نہیں تھا۔

مگر وہ اس کے بعد وہ ہاتھ آئی ہی نہیں۔

☼ ☼ ☼
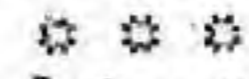
حنان کی شادی بخیر و خوبی ہو چکی تھی۔

پروا نے یونیورسٹی جانا شروع کر دیا تھا۔

اس دن بھی سر انجاز کی کلاس لے کر وہ نکلی تو کوریڈور میں فیصل لغاری کو سراپا انتظار پا کر اس کی حیرت دوچند ہوئی۔

"پروا! میرے ساتھ چلیں بہت ضروری بات کرنی ہے۔" وہ لپک کر اس کے پاس آیا اس کے تاثرات خاصے وحشت زدہ تھے۔ پروا کو انکار کی جرأت نہ ہو سکی۔ بہت ساری نگاہوں نے ایک اسمارٹ اور ڈیشنگ لڑکے ان کے ہمراہ پروا کو جاتے دیکھا۔

وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چلتی آئی تھی۔ وہ اپنی گاڑی اسٹارٹ کر کے لے آیا۔ وہ کوئی سوال کیے بغیر بیٹھ گئی۔

"پروا! میں اس دن والی بات کے بارے میں آپ کی غلط فہمی دور کرنا چاہتا ہوں' آپ کی بے اعتباری مجھے بہت دکھ دے رہی ہے۔ آپ یقین کریں کہ اس دن میں نے دروازہ کسی بری نیت سے لاک نہیں کیا تھا بلکہ میں کسی کی مداخلت کے بغیر آپ کو تھوڑی دیر دیکھنا چاہتا تھا۔" یونیورسٹی سے کچھ آگے نکل کر فیصل نے گاڑی ایک کم مصروف اور قدرے سنسان سڑک پہ روک دی تھی۔

"کل آپ ریسیو کر ہی نہیں رہی تھیں میری اس لیے میں یونیورسٹی آیا ہوں کہ آپ کی غلط فہمی دور کر سکوں۔" فیصل کے چہرے اور آنکھوں میں سچائی کی چمک واضح تھی۔ پروا کے تنے اعصاب رفتہ رفتہ ڈھیلے پڑنے لگے۔

"اتنی سی بات کو آپ نے اتنا سیریس لے لیا۔" پروا کے لہجے میں اپنائیت سی تھی کچھ تھا ایسا کہ فیصل کی نگاہیں ایک بار پھر سب کچھ بھلا کر اس پہ مرکوز ہو گئیں۔

"تو آپ کی غلط فہمی دور ہو گئی؟" اتنے دنوں کی کسک اور اذیت ختم ہوئی تو وہ بالکل پرسکون نظر آنے لگا۔ جواباً" پروا نے سر کو اثبات میں ہلا دیا۔

"گڈ تو پھر ہماری دوستی پکی۔" فیصل نے ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیا۔ فی الحال فیصل کے تاثرات بہت بے ضرر تھے۔ پہلی بار پروا نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھمایا۔ یہ گرفت ایک مرد کی تھی پُرجوش پُرحدت کچھ کہتی' کچھ جتاتی ایک ایسے مرد کی گرفت جو اس سے بے پناہ محبت کرنے لگا تھا۔

"پری تم آئی لو یو۔۔۔ سو مچ۔" وہ بے خود ہو رہا تھا۔ پروا نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑا لیا تو وہ ہوش میں آ گیا۔

"آپ مجھے گھر چھوڑ دیں یونیورسٹی نہیں جانا۔" پروا سے اس کی نگاہوں کا سامنا دشوار تھا۔

"چھوڑ دوں گا اتنی جلدی کیا ہے۔"

"نہیں آپ مجھے چھوڑ دیں بس۔" یہاں پروا بار نہیں ماننا چاہتی تھی۔

اور وہ یہاں پروا سے ہار مان گیا آرام سے ہمیشہ کی طرح۔ محبت انسان کو بڑا کمزور بنا دیتی ہے۔ یہ فیصل کا اپنا نقطۂ نظر تھا جس پہ وہ ابھی بھی سو فیصد متفق تھا۔

☼ ☼ ☼
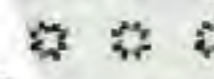
یونیورسٹی میں امتحانات سے قبل غیر نصابی سرگرمیوں کا بھرپور آغاز ہو چکا تھا' اور ہمیشہ کی طرح پروا آگے آگے تھی۔ پہلے مجموعۂ کلام کی پذیرائی کے بعد وہ دوسرے کی تیاری میں بھی لگی ہوئی تھی۔ ایک معیاری ادبی پرچے کے مدیر اور کہنہ مشق شاعر اس سلسلے میں اسے مفید تجاویز سے بھی نواز رہے تھے۔ پروا اکثر نکال کر ان کی طرف بھی چلی جاتی۔

بلا کے حسن پرست اور رومان پرور تھے۔ عرفان بابل نیازی بابائے ان کا تخلص تھا۔ تنقید نگار بھی تھے ادبی دنیا میں انہیں بہت عزت دی جاتی تھی۔ سو قدرے غرور بھی ان کے مزاج کا حصہ بن چکا تھا۔

پروا سے ایک مشاعرے کے دوران وہ متعارف ہوئے اور پھر اس کے حسن و بے نیازی کے گرویدہ ہو گئے۔ اپنے ادبی پرچے میں انہوں نے پروا کی شاعرانہ صلاحیتوں کے بارے میں کھل کر لکھا تھا۔ جس سے ایک بڑا حلقہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا کیونکہ ان کی رائے سند کا درجہ رکھتی تھی۔ گزرتے ایک سال نے

ان کی بات سچ ثابت کر دی تھی۔ پروا کی شاعری نے نوجوانوں کے ساتھ ساتھ ادب کے نقادوں کو بھی چونکا دیا تھا۔ انہی کے مشورے سے پروا نے دوسرے مجموعۂ کلام کو کتابی شکل میں لانے کا کام شروع کر رکھا تھا۔

ان دنوں وہ بہت معروف تھی۔ یونیورسٹی سے فارغ ہونے کے بعد عرفان بادل نیازی کی طرف چلی جاتی۔ وہ "نیا سویرا" کے آفس میں ہی عام طور پہ پائے جاتے۔ ان کی حسن پرستی کی داستانیں عام تھیں لیکن پروا نے اس سلسلے میں بڑا سخت اصول رکھا ہوا تھا۔ اس کے ارد گرد وقار کا حصار بڑا مضبوط تھا۔ عرفان بادل نیازی کو حال دل کہنے کی جرأت ہی نہیں ہوئی۔

عمر عزیز کی پچپن بہاریں دیکھ لینے کے باوجود تاحال کنوارے تھے۔ ادبی میدان میں نو وارد لکھاریوں کی سرپرستی کرنے میں انہوں نے کبھی بخل سے کام نہیں لیا تھا۔ ان کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی کی وجہ سے ہی آج بہت سے گمنام شاعر اور ادیب ادبی میدان کے روشن ستارے بن کر چمک رہے تھے۔

ایک طرف سے عرفان بادل نیازی اس کے گاڈ فادر ہی تھے۔ کیونکہ ادبی حلقوں میں متعارف انہوں نے ہی کروایا تھا۔ پروا کا تخلص بھی انہوں نے ہی "نوزگل" تجویز کیا تھا جو اب اس کے پیدائشی نام کا حصہ بن چکا تھا۔ "نوزگل" کا مطلب تھا نہایت خوب صورت اور حسین۔

ادبی حلقوں میں عرفان بادل نیازی کی شہرت کچھ بھی رہی ہو مگر پروا کے لیے وہ بہت قابل احترام تھے۔ اس کی خوب صورتی اور رکھ رکھاؤ نے عرفان بادل نیازی کو شروع میں چونکایا ضرور تھا مگر بعد ازاں پروا کا رویہ دیکھ کر وہ اپنے خول میں سمٹ گئے تھے۔ ورنہ ہمیشہ سے وہ اسکینڈلز کی زد میں رہے تھے۔

پروا پہ وہ خاصے مہربان تھے اور دل سے اس کی عزت بھی کرتے تھے۔ سو وہ ابھی تک کسی بھی ناخوشگوار صورت حال سے بچی ہوئی تھی۔

مگر کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن سے پروا کی پذیرائی ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ ان ہی کی زبانوں کا اگلا زہر پروا کے جاننے والوں کے کانوں تک بھی پہنچ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

فیصل تین دن سے پروا کا نمبر مسلسل ٹرائی کر رہا تھا جو بند جا رہا تھا۔ رات کے کھانے پہ راجیہ سے سامنا ہوا تو وہ پوچھ بیٹھا۔

"پروا ٹھیک تو ہے ناں۔ یونیورسٹی آ رہی ہے؟" کتنا پریشان تھا وہ پروا کی خاطر۔

"جی ہاں وہ یونیورسٹی آ رہی ہے۔ کیوں کیا بات ہے؟" وہ دلی کیفیت کو چھپاتے ہوئے بظاہر عام سے لہجے میں بولی۔

"اس کا سیل نمبر آف ہے تب ہی پوچھا ہے میں نے۔"

"او اچھا۔ وہ کافی بزی ہے ان دنوں۔ یہ اس کی پرانی عادت ہے جب بہت مصروف ہوتی ہے تو اپنا سیل فون آف کر دیتی ہے۔"

"کیوں کون سی مصروفیت ہے؟"

"ایگزامز بھی قریب ہیں اور وہ اپنی کتاب کی تیاری میں بھی مصروف ہے۔ عرفان بادل نیازی کی طرف چلی جاتی ہے روز ہی۔ بہت فرینڈ شپ ہے عرفان بادل نیازی بھی۔" اس نے بظاہر سرسری سے انداز میں کہا تھا۔ مگر فیصل کچھ پریشان سا ہو گیا تھا۔

راجیہ فیصل سے چھ سال چھوٹی تھی۔ اس نے کبھی بھی اسے بھائی کہہ کر مخاطب نہیں کیا تھا نام بھی نہیں لیتی تھی اب۔ صرف آپ کہہ کر کام چلا لیتی تھی۔ حیرت کی بات تھی حنان سے شادی کے بعد بھی اس کے دل سے فیصل سے دستبرداری کا دکھ کم نہیں ہوا تھا۔ اب تو اسے ساری عمر اسی گھر میں رہنا تھا اور فیصل کو ہر وقت نظروں کے سامنے دیکھنا اس کے لیے کسی امتحان سے کم نہیں تھا۔

اس کے لیے یہ تصور ہی سوہان روح تھا کہ فیصل جسے وہ شروع سے من مندر کا دیوتا بنا کر پوجا کرتی رہی ہے وہ پروا پہ جان چھڑکتا ہے۔

راجیہ کا حسد اسے چین نہیں لینے دیتا تھا۔ وہ اپنے دل کی مسلسل ناشکری پہ تلی ہوئی تھی اور اسے اس کا احساس تک نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

کتابیں سمیٹ کر پروا ابھی ابھی سونے کے لیے دراز ہوئی تھی کہ اچانک اس کا سیل فون گنگنانے لگا۔ فیصل کالنگ کے الفاظ جگمگا رہے تھے۔

بڑی پیاری مسکان نے چہرے کا احاطہ کیا تھا۔

"السلام علیکم۔" اس کی دلکش مدھر آواز فیصل کی اکتاہٹوں کی کلفت اور بے زاری ختم کر گئی تھی جو پروا کی مصروفیت اور سیل آف ہونے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔

"وعلیکم السلام کہاں گم ہو پروا صاحبہ! لگتا ہے کہ مجھے آپ کو لاک اپ میں بند کرنا پڑے گا۔" فیصل کی بے قراری الفاظ اور لہجے سے عیاں تھی۔

"میں تو کہیں بھی گم نہیں ہوئی اور میں نے کون سا ایسا جرم کر دیا ہے جو آپ مجھے لاک اپ کی دھمکی دے رہے ہیں۔"

"سارے جرم گن گن کر بتاؤں گا صرف آپ کے امتحانات سے فارغ ہونے کا انتظار ہے۔ فی الحال تو یہ بتائیے کہ نمبر کیوں آف تھا آپ کا؟"

"میں پچھلے دنوں بہت مصروف تھی۔ اس مصروفیت میں سیل فون کو چارج کرنا یاد ہی نہیں رہا اس لیے فون آف تھا میرا۔"

"بہرحال آئندہ خیال رکھنا ہے۔ مجھ سے دور ہیں آپ تو رابطے تو نہ توڑیے۔ کچھ باتیں خود سے سمجھنے کی ہوتی ہیں۔" فیصل کے لہجے میں بہت نرمی تھی۔

"او کے آئندہ خیال رکھوں گی۔" کہہ کر پروا نے فون بند کر دیا۔

نیند تو ابھی فیصل کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اتنی جلدی کہاں آنے والی تھی۔ کمرے کی تنہائیاں کاٹ کھانے کو دوڑ رہی تھیں اور دل تھا کہ پروا کو طلب کیے جا رہا تھا۔ جذبوں کی آنچ شاید اس تک نہیں پہنچی تھی یا پھر وہ انجان بنی ہوئی تھی۔

لیکن اتنا ضرور ہوا تھا پہلے کی طرح اس کے انداز میں بے گانگی نہیں تھی وہ اس کی چاہت سے آگاہ تھی۔

فیصل کے پلکوں پہ بہت سے خوب صورت خواب سجے تھے۔

☼ ☼ ☼

آخری پیپر دے کر گھر آئی تو تراب لغاری اور نیلم آنٹی آئے بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے پڑے ٹیبل پہ مٹھائی کے ٹوکرے رکھے تھے۔ پروا کپڑے بدل کر ان کی طرف چلی آئی۔ نیلم نے صوفے پر اسے پاس ہی بٹھا لیا۔

"کیسے ہوئے پیپرز تمہارے؟" سلام دعا اور خیر خیریت پوچھنے کے بعد انہوں نے پیپرز کی بابت پوچھا۔

"بہت اچھے ہوئے ہیں ہمیشہ کی طرح مجھے امید ہے اچھا رزلٹ آ جائے گا۔"

"ان شاء اللہ اور رزلٹ تو تم اب سسرال میں آ کر ہی سنو گی۔" نیلم نے اسے چھیڑا اور ان کے جانے کے بعد ممانے اسے بتایا کہ وہ کس مقصد سے آئی تھیں۔

پروا کی شادی پہ ڈاکٹر انجم کے بڑے بھائی ریاض احمد بھی اپنی پوری فیملی سمیت انگلینڈ سے آ رہے تھے۔ اب اتنے عرصے بعد وہ آ رہے تھے تو سب بہت خوش تھے۔

پروا کی شادی سے ہفتہ پہلے ریاض احمد اپنے بھائی ڈاکٹر انجم کے پاس تھے۔ اقراء اور پروا نے پہلے ہی اوپر کا پورشن ان کے لیے سیٹ کر دیا تھا۔ ان کے ساتھ ان کا بیٹا بہو اور دو پوتے پوتیاں بھی تھے۔ بیوی ان کی سات سال پہلے فوت ہو چکی تھی۔ اب پوتے اور پوتی سے دل بہلاتے تھے۔ ان کے آنے کے بعد گھر کی رونق بڑھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

پرسوں پروا کی رخصتی تھی۔ اس رات کے بعد اس گھر میں ایک اور رات باقی تھی۔ پھر اسے یہاں سے چلے جانا تھا۔ اس کی مما کچھ دیر پہلے اس کے پاس سے

اٹھ کر گئی تھیں۔
انجم صاحب نے انہیں زبردستی یہاں سے اٹھا کر سونے بھیجا تھا کیونکہ اقراء کی طبیعت رونے سے خراب ہو رہی تھی۔
ان کے جانے کے بعد فیصل کی کال آ گئی۔ پروا کا دل ابھی بھی بھرا ہوا تھا۔ اس کی آواز سن کر اور بھی رونا آ گیا۔
اس کی بھیگی بھیگی آواز فیصل نے فوراً محسوس کر لی تھی۔ مگر جانتے ہوئے نظر انداز کر گیا۔
"کل آپ نے پوری کلائیوں اور پاؤں کے ساتھ ساتھ ہاتھوں پہ بھی مہندی لگوانی ہے کہنیوں سے اوپر تک۔ مجھے اچھا لگے گا اگر آپ نے میری یہ چھوٹی سی خواہش پوری کی تو..." پروا نے آہستگی سے جی کہہ کر فون بند کر دیا۔

✿ ✿ ✿

پروا نے شادی پہ اپنی فرینڈز، کلیگز کے ساتھ خاتون اور مرد شاعروں کو بھی مدعو کیا تھا۔ ان میں عرفان بابر بھی شامل تھے۔ جنہوں نے پروا کو شادی کے تحفے کی صورت میں اس کا دوسرا مجموعہ کلام دیا۔ جس کا عنوان تھا "تم سے" تھا اور یہ عین پروا کی شادی کے روز منظر عام پہ آیا تھا۔ اسے اس کی خوشی بھی بہت تھی مگر ماں باپ سے بچھڑنے کا دکھ اسی خوشی پہ غالب تھا۔
رخصتی کے وقت وہ اتنا پھوٹ پھوٹ کر روئی کہ نیلم اور تراب لغاری کے ساتھ ساتھ اور لوگ بھی پریشان ہو گئے۔
رخصت ہو کر پروا تراب منزل پہنچ گئی۔
رسموں کے لیے عورتوں نے اسے گھیرا ہوا تھا۔ فیصل نے تو جان چھڑا لی تھی "اسے رسموں سے دلچسپی نہیں تھی سو مشکل سے پروا کے ساتھ پانچ منٹ بیٹھا تھا اور دلہن کو مٹھائی کھلانے کے بعد معذرت کر کے دوستوں کی طرف چلا گیا تھا۔ رابعہ اس دوران ان کے قریب ہی موجود رہی تھی۔ پروا کے یوں رونے سے کچھ ذہنوں میں جو سوالات پیدا ہوئے تھے۔ ان سوالوں نے رابعہ کو قدرے شانت کر دیا تھا۔ ابھی فیصل تھوڑی دیر بعد ہی پروا کے پاس سے اٹھ کر گیا تھا تو اس کی اس حرکت نے رابعہ کے پورے وجود میں سکون کی لہر دوڑا دی تھی۔
حنان اور بابر نے دو دن لگا کر فیصل کا بیڈ روم ڈیکوریٹ کروایا تھا اور کل سے لاک کر کے چابی اپنے پاس رکھی تھی۔ حنان دلہن کی آمد کے بعد ہی بیڈ روم کھولنا چاہتا تھا۔ پتہ نہیں ایسی کون سی خاص بات تھی جو وہ چھپا رہا تھا۔
فیصل کی کزنز پروا کو لے کر کمرے تک آئیں۔ تب بابر اور حنان نے کمرے کا دروازہ کھولا۔ باقی سب پیچھے ہٹ گئے کہ پہلا قدم دلہن ہی اندر رکھے۔
اور پروا جیسے ہی دروازے سے اندر ہوئی چھت کی طرف سے اس پہ پھولوں کی برسات شروع ہو گئی ساتھ ہی ویلکم ویلکم کی مدھر آواز بھی گونجنے لگی۔
بیڈ روم اتنی خوب صورتی سے سجا تھا کہ سب نے ہی تعریف کی۔ رابعہ ادھر حنان سے لڑنے لگی۔
"اپنا بیڈ روم تو تم نے اتنی خوب صورتی سے ڈیکوریٹ نہیں کروایا تھا۔" یہ لڑنے کا موقع نہیں تھا سو حنان خاموش ہو گیا۔ ویسے بھی رابعہ کے رویے میں کچھ عرصے سے تبدیلی سی آ گئی تھی یوں لگتا تھا وہ لڑنے کے بہانے ڈھونڈتی ہے۔ مگر حنان صلح جو قسم کا بندہ تھا۔ چپ ہو جاتا۔

✿ ✿ ✿

بیڈ کراؤن کے ساتھ رکھا وہ سرا گاؤ تکیہ اٹھا کر فیصل اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ بیڈ روم میں آتے ساتھ ہی اس نے بڑی جاندار آواز میں سلام کیا تھا۔ اس آواز میں خوشی کی ایک کھنک محسوس کی جا سکتی تھی۔
"دیکھنے کی اجازت ہے مجھے؟" وہ پروا کے جھکے سر کو دیکھتے ہوئے بولا اور پھر دوسری طرف سے کوئی جواب ملنے سے پہلے ہی آنچل اس کے چہرے سے ہٹا دیا۔ پروا کی پلکیں ہولے ہولے لرز رہی تھیں۔ فیصل نے بڑے غور سے اس کی پلکوں کا لرزنا رقص دیکھا۔ اس

کی خم دار بھنویں، ستواں ناک، جھکی آنکھیں اور انمول لب۔ ایک ایک نقش اس نے غور سے دیکھا۔ پروا کے دونوں ہاتھ گود میں دھرے تھے۔ فیصل کا مضبوط ہاتھ اس کی نازک کلائی کی طرف بڑھا تو ہاتھوں میں عجیب سی گدگدی محسوس ہونے لگی۔ دھڑکنوں کی رفتار خود ہی بڑھنے لگی پروا کا ہاتھ باقاعدہ کانپ رہا تھا۔
"مہندی تو بہت خوب صورت لگی ہے کہاں تک ہے؟" وہ اس کی چوڑیوں سے بھری کلائی کو قریب کر کے غور سے دیکھنے لگا۔ جہاں تک چولی کے بازو تھے وہاں تک تو مہندی لگی نظر آ رہی تھی۔
"آج کے دن کی آس میں بہت انتظار کروایا ہے۔" پروا کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیے تھے۔
"کچھ تو کہو۔ آج کا دن ہماری زندگی کا سب سے اہم دن ہے میں تمہارے لبوں سے کچھ سننا چاہتا ہوں۔" فیصل کی انگلیاں پروا کے نم والیوں کو ایک ٹہوکے کے لیے چھو گئی تھی۔
"بولو نا کچھ تو پلیز... شاعرہ ہو الفاظ سے کھیلتی ہو آپ تو اب اتنی کنجوسی کیوں؟"
پروا کے لب کچھ کہنے کی کوشش میں جیسے پھڑپھڑائے۔
فیصل کی پرجوش و وارفتہ نگاہیں آنچ دیتی محسوس ہو رہی تھیں۔ پروا سے بولا ہی نہیں گیا۔ مشاعروں میں شرکت کرنے والی سیکڑوں مداحوں کے سامنے اپنا کلام پیش کرنے والی پراعتماد سی پروا اس وقت اس کے سامنے نروس ہو رہی تھی۔
فیصل کو ایک دم ہی اس پہ رحم سا آ گیا۔ اس نے سائیڈ ٹیبل کی دراز سے ویلوٹ کا کیس نکالا۔ جو سونے کی نازک اور خوب صورت پایل پہ مشتمل تھا۔
"یہ ان خوب صورت پاؤں کے لیے ہے۔" جھکے جھکے ہی اس نے نازک سی پروا کو پایل پہنائیں۔
"تھینک یو سویٹ ہارٹ۔" پروا کا ہاتھ اس کے لبوں پہ دھرا تھا اور لمحہ بہ لمحہ سرکش ہوا جا رہا تھا۔
"مجھے نیند آ رہی ہے سو جاؤں لیکن پہلے یہ کپڑے چینج کر لوں گی۔" بھاری لہنگے کو سمیٹتے ہوئے بیڈ سے اٹھنے ہی لگی تھی کہ فیصل کے مضبوط بازوؤں نے اسے جکڑ لیا۔
"کون سی نیند کہاں کی نیند۔ کب سے میری نیندوں کی دشمن بنی ہوئی تھی میں سونے دوں گا بھلا۔" فیصل گستاخیوں پہ آمادہ تھا۔ پروا کی تو سانس ہی گویا سینے میں اٹک گئی تھی۔ اچانک اسے اپنی گردن کے پاس انگارہ سا دہکتا محسوس ہوا۔
یہ بچھڑا سرکش سمندر اسے بھی اپنے ساتھ بہاتا چلا گیا۔

✿ ✿ ✿

ولیمہ کے بعد فیصل اور پروا دونوں ڈاکٹر انجم کی طرف آئے ہوئے تھے۔
اقراء کتنی دیر پروا کو لپٹائے اس کے ہونے کا یقین کرتی رہیں۔ پروا اس لڑکی سے یکسر اجنبی لگ رہی تھی جو اپنی رخصتی کے دن دھواں دھار رو رہی تھی۔ فیصل کی بھرپور محبت کے خمار سے اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔
رات ان دونوں نے وہیں رکنا تھا۔ فیصل کافی دیر ڈاکٹر انجم اور اقراء سے باتیں کرتا رہا۔ عاشر احمد بھی یہیں تھے۔ البتہ سو اور ہینا واپس انگلینڈ جا چکے تھے۔ وہ بھی ان کے ساتھ شریک گفتگو تھے۔
فیصل کے سونے کا انتظام پروا کے بیڈ روم میں تھا۔ اس نے بڑی دلچسپی سے ایک ایک چیز دیکھی۔ اسکول کالج کے زمانے کی تصویریں، بچپن کے سنبھال کر رکھے گئے کھلونے، اسکول کالج کی طرف سے ملے گئے تعریفی سرٹیفکیٹس اور اسٹوڈ اپنے ہاتھ کے بنائے گئے لینڈ اسکیپ سب چیزیں بہت شوق سے دکھائیں۔ بچوں جیسی معصومیت تھی اس کے اس کے چہرے پہ۔ فیصل وقتاً فوقتاً اس کے بالوں کو چھیڑنے کی کوشش کر رہا تھا اور پروا وہ پیچھے ہو جاتی۔
"پری! واقعی تم مشرقی لڑکی ہو۔ میرے پیار کی نشانیوں کو کہاں تک چھپاؤ گی ہاں جواب دو۔ تم کہاں

گھبرا جاتی ہو میرے پیار کی شدت سے۔ میں تم سے ایسے ہی ٹوٹ کر پیار کروں گا۔ دو دن میں ہی تم نے مجھے اپنا اسیر کر لیا ہے۔ بہت بے بس ہو گیا ہوں۔ اب تو زندگی تمہارے بغیر بے معنی لگنے لگی ہے۔ میں نے گھومنے پھرنے کے لیے مورشس کی سیٹ بک کروائی ہے۔ اسی ہفتے ہم چلے جائیں گے۔ میں چند دن سب سے دور اور تم سے قریب ہو کر گزارنا چاہتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی اور ہمارے درمیان ہو۔ صرف میں اور تم ہوں۔ اور کوئی نہیں۔"

"اتنا پیار کرتے ہیں آپ مجھ سے؟"

"تمہاری سوچ سے بھی زیادہ پیار کرتا ہوں اتنا کہ تم اندازہ بھی نہیں کر سکتیں۔" فیصل کا لفظ لفظ سچائی میں ڈوبا ہوا تھا۔

پروا اس دیوانے کو دیکھتی رہ گئی۔

مورشس میں ایک ماہ گزار کر لوٹنے کے بعد وہ اپنی ڈیوٹی جوائن کر چکا تھا۔ پروا بھی گھر اور کیمپس میں مگن تھی۔ تراب انکل، نیلم آنٹی، حسان بھائی، وزیر شہوار سب کا رویہ بہت اچھا تھا۔ بس راحیہ کی طرف سے وہ اکثر الجھ جاتی۔ آخر میں وہ نظر انداز کر جاتی۔ جلتے بھنتے ہوتی۔ جس کی وجہ پروا کے پاس نہیں تھی۔

ایک ماہ پاکستان سے باہر رہنے کے دوران واپسی پہ پروا کے پاس مشاعروں کے بہت سے دعوت نامے جمع ہو چکے تھے۔ وہ ممّا پاپا سے ملنے گئی تو پتہ چلا کہ ایک ٹی وی پروڈیوسر نے بھی اس کی غیر موجودگی میں رابطہ کیا تھا۔ نئی نسل کے نمائندہ خواتین شعراء کے بارے میں وہ ایک پروگرام کر رہے تھے۔ اس سلسلے میں وہ پروا کو بھی اپنے پروگرام میں مدعو کرنا چاہ رہے تھے۔ اس کے علاوہ راولپنڈی آرٹس کونسل میں ایک مشاعرہ ہو رہا تھا۔ اس میں خاص طور پہ پروا اوزگل کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ نئی نسل میں اس کی مقبولیت کا گراف "تم سے" کی اشاعت کے بعد تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ عرفان جلال نیازی نے اس سے کہا تھا کہ ادبی دنیا بہت بڑے سمندر کی مانند ہے اگر تم نے اپنی منفرد شناخت برقرار رکھنی ہے اور زیادہ عرصے تک ادبی دنیا میں زندہ رہنا ہے تو روایات کی پیروی مت کرو۔ باغیانہ روش اپناؤ۔ لوگوں کے دلوں میں گھر کرو۔ پروا نے ان کی نصیحت کو دل و جان سے مان لیا تھا۔ یہی وجہ تھی اس کا دوسرا مجموعہ کلام نئی روایات اور نئے رجحانات کا عکاس تھا۔

✿ ✿ ✿

اقراء بیگم کو لگ رہا تھا جیسے پروا ان سے صدیوں بعد ملی ہے حالانکہ صرف ایک ماہ کی ہی تو دوری تھی لیکن ان کی پیاسی ممتا کو اسے دیکھ کر سیراب ہو رہی تھی۔ پروا کی شادی کے بعد انہیں اپنی تنہائیوں کا احساس شدت سے ہونے لگا تھا۔

رات کھانے کے بعد وہ بڑے سکون سے ممّا کے پاس لیٹی باتیں کر رہی تھی جب فیصل نے اس کے موبائل پہ کال کر کے بتایا کہ وہ اسے لینے آ رہا ہے۔ پروا نے واضح طور پہ محسوس کیا کہ ممّا کا کچھ دیر قبل چمکتا چہرہ تاریک سا ہو گیا ہے۔ اگرچہ بہت جلدی انہوں نے خود کو سنبھال لیا مگر پروا نے جیسے ان کا دکھ بھانپ لیا تھا۔

وہ دوبارہ اسے فون کر کے منع کرنا چاہتی تھی کہ اسے نہ لینے آئے وہ میکے میں رہے گی مگر اقراء نے نرمی سے منع کر دیا۔

"اب تم اس گھر کی ہو تمہاری عزت، وجاہت، مان سب تمہارے شوہر کے دم سے ہے اس کے گھر سے ہے۔ تم ضد کرو اس کی اور رات رکنے کا ارادہ ہو تو پھر آ جانا۔"

پروا انہیں دیکھ کر رہ گئی۔ سچ تو اس کا بھی جی چاہ رہا تھا کہ کچھ دن ممّا پاپا کے پاس رہے اور جی بھر کر نیندیں پوری کرے کوئی ڈسٹرب کرنے والا نہ ہو حتیٰ کہ فیصل بھی نہیں۔ وہ تو شادی کے بعد بے فکری والی نیند کو ترس گئی تھی۔

پروا واپسی پہ چپ چپ سی تھی۔

"میرا بہت دل تھا ممّا کے پاس رکنے کو مگر آپ لینے آ گئے تو مجھے آنا پڑا۔ شادی کے بعد میں صرف ایک

رات اپنے ممّا پاپا کے پاس رہی ہوں۔" پروا کے لہجے میں خفگی سی تھی۔

"تم رات ممّا پاپا کے پاس رک جاتیں تو میں ساری رات نہ سو پاتا۔ تم میری زندگی کا حصہ بن گئی ہو میں نہیں رہ سکتا تم سے ایک رات بھی دور۔ آئندہ ضد نہ کرنا۔" اس کے انداز میں قطعیت تھی پروا اسے دیکھ کر رہ گئی۔

✿ ✿ ✿

گھر واپسی پہ پروا نیلم آنٹی کے پاس بیٹھ گئی وہ ان کی طبیعت کا پوچھ رہی تھی۔ جن کی طبیعت ان دنوں مسلسل خراب چل رہی تھی۔

"اکلوتی اولاد ہو تو تمہارا فرض بنتا ہے ان کی دیکھ بھال کرنا۔" ان کی بات پہ پروا نے سر جھکا لیا۔

ٹی وی لاؤنج سے گزرتے فیصل پہ اس نے خفا خفا نظر ڈالی تھی۔

وہ فریش ہو کر چینج کر چکا تھا۔ بلیک کلر کی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں اس کا دراز قد کسرتی سراپا بہت نمایاں تھا۔ وہ آ کے پروا کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ نامحسوس انداز میں تھوڑا پرے ہو گئی۔ اقراء کے بارے میں کافی دیر بات ہوتی رہی۔ پھر نیلم سونے چلی گئیں۔ فیصل بھی اٹھ گیا۔ پروا بے مقصد ہی چینلز کے چکر کاٹتی رہی اور کافی دیر بعد بیڈ روم میں آئی۔ وہ تکیے کے سہارے نیم دراز ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ پروا نے اس کے پاس پڑا دوسرا تکیہ اٹھایا اور قدرے سائیڈ پہ رکھ کر لیٹ گئی۔

"پری! کیا بات ہے خفا ہو واپس آنے کے بعد ایک بار بھی مجھ سے بات نہیں کی ہے۔" وہ اس پہ جھک آیا۔

"مجھے نیند آ رہی ہے۔" وہ اس کے بازو ہٹا کر دوبارہ پہلے والی پوزیشن پہ لیٹ گئی۔

"کل مجھے ایک بجے کے بعد آفس جانا ہے۔"

"تو میں کیا کروں ایک بجے کے بعد جانا ہے تو۔"

"پتہ تو تمہیں اچھی طرح ہے پری!"

"پلیز مجھے سونے دیں اور پلیز لائٹ آف کر دیں۔"

اس نے بے رخی سے کہتے ہوئے کروٹ بدلی۔

"لو کے سو جاؤ ڈونٹ وری۔ میں تمہیں ڈسٹرب نہیں کروں گا۔" فیصل نے بیڈ لائٹ آف کر کے ٹی وی بھی بند کر دیا۔

نیند پروا کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اس کی طرف سے رخ موڑے موڑے کتنے ہی آنسو بے آواز طریقے سے پلکوں کا بند توڑ کر تکیے میں جذب ہوئے تھے۔ کافی دیر گزر چکی تھی۔ اس نے اندھیرے میں ہی ہاتھ بڑھا کر ٹیبل پہ پڑا موبائل اٹھا کر ٹائم دیکھا۔ تین بجنے والے تھے۔ فیصل کی اس کی طرف پشت تھی اور وہ سو رہا تھا۔ وہ بیڈ سے اتری اور چیئر گھسیٹ کر ٹیبل کی طرف چلی گئی۔ ٹیبل لیمپ کی روشنی بڑی دھیمی اور رومان پرور سی تھی۔

اس نے سائیڈ ٹیبل سے اپنی ڈائری اور پین اٹھایا۔ کچھ دیر سوچتی رہی اور پھر لکھنا شروع کر دیا۔ اس عمل کے بعد وہ شانت تھی۔ لکھنے کے بعد اس نے لائٹ بند کر دی اور پہلے کی طرح اپنی جگہ پہ آ کر لیٹ گئی۔ نیند نے جلد ہی اپنی آغوش میں لے کر اسے سینے سے لگا لیا۔

پروا سمجھ رہی تھی کہ وہ سویا ہوا ہے۔

پر وہ تو ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سویا تھا۔

اس کے سونے کے بعد فیصل نے اس کی ڈائری اٹھائی درمیان میں پین پڑا تھا۔ اس نے کھولی۔ بہت ہی خوب صورت ہینڈ رائٹنگ میں وہ لکھتے لکھتے چھوڑ گئی تھی۔

سب سے اوپر عنوان لکھا تھا سوالیہ نشان۔

وہ عنوان کے نیچے لکھی گئی نظم پڑھنے لگا

چار سو رات کا سناٹا پھیلا ہوا ہے
کچھ موسم سرد ہے اور پر فضا بھی
گرم گرم سی گھٹن رلاتی
تن من کو جھلساتی
تیری آنکھیں تیری باتیں
روز و شب میرے من سے الجھتی ہیں
میری سوچوں سے ٹکراتی ہیں
تیرے پیار کی بانہوں میں

تیرے پیار کی پناہوں میں
پھر بھی جانے کیوں
کیوں مجھے قرار نہیں

اس نے آہستگی سے ڈائری بند کر دی۔ مڑ کر محو خواب پروا کی طرف دیکھا اور بجائے سونے کے بیڈ روم کا دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ وہ پروا سے اپنی ہر بات شیئر کرتا تھا اس وقت اس کے دل پہ بے تحاشا بوجھ تھا مگر یہ بات وہ اس سے بھی چھپانا چاہتا تھا۔ رات کے آخری پہر وہ سویا مگر اپنے بیڈ روم میں نہیں بلکہ ٹی وی لاؤنج میں۔

☆ ☆ ☆

پروا گیلے بال سلجھا رہی تھی۔ فیصل آج گھر پہ ہی تھا۔

دوپہر کے بعد ہی اسے حویلی پہ جانا تھا۔ اب وہ کپڑوں کی ہم رنگ چوڑیاں پہن رہی تھی جب وہ اندر آیا۔

"پروا! اپنے کپڑے اور ضروری چیزیں رکھ لو میں جاتے ہوئے تمہیں انکل کی طرف ڈراپ کر جاؤں گا۔ کچھ دن رہ لو۔ ویسے بھی آنٹی تمہیں بہت مس کرتی ہیں۔" وہ وارڈروب سے کپڑے نکال کر باتھ روم میں بند ہو گیا۔

مارے خوشی کے وہ اسی وقت اپنے کپڑے رکھنے لگی۔ اس کے لیے یہ تصور ہی بہت خوش کن تھا کہ وہ ممّا کی طرف رہنے جا رہی ہے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اسے طویل قید کے بعد رہائی کا پروانہ مل گیا ہے۔

پروا سب سے پہلے ممّا کو فون کر کے اپنے آنے کے بارے میں بتانے لگی۔

"ممّا جانی! میں تو ترس گئی ہوں اپنے گھر کے لیے۔ آپ کو یاد بھی نہیں ہے کہ میں آخری بار کب وہاں سوئی تھی۔ خوب ڈھیر ساری باتیں کروں گی اور پھر رات کو گھوموں گی۔" وہ بولتی ہی چلی گئی۔ فیصل نہا کر باہر آ گیا تھا اور اس کی تمام باتیں بھی سن چکا تھا۔ اسے کچھ دن پہلے کی بات یاد آ گئی۔

وہ اور پروا اکٹھے لیٹے ہوئے تھے۔ روزانہ کی طرح پروا کا سر اس کے بائیں بازو کے اوپر تھا۔ وہ باتیں کر رہا تھا مگر پروا کا دھیان نہیں اور تھا وہ گستاخیوں پہ اترا تو پروا نے اسے پیچھے ہٹا دیا۔

"فیصل! چھوڑیں مجھے کچھ لکھنا ہے اگر نہ لکھا تو بھول جائے گا۔" وہ اس کی پرجوش قربت کا حصار توڑ کر اس کے پاس سے اٹھ گئی۔

اس وقت فیصل نے اس بات کو اہمیت ہی نہیں دی تھی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھا لیا تھا۔

"یہیں! میرے پاس بیٹھ کر لکھو، بالکل بھی ڈسٹرب نہیں کروں گا۔" اس وقت وہ شرافت کے جامے میں تھا تو وہ مان گئی تھی۔

ڈائری اور پین اس کے ہاتھ میں تھا اور اس نے فیصل کے کندھے سے ٹیک لگائی ہوئی تھی۔ فیصل کا ایک بازو اس کے گرد حمائل تھا۔ دنیا جہان سے بے خبر یہ تو کوئی اور ہی پروا تھی۔ اس کی فسوں خیز قربت سے بے نیاز لکھنے میں مگن۔ بیچ میں کئی بار وہ شرارتوں پہ اترا مگر اس پہ اثر نہیں ہوا۔ تنگ آ کر وہ اس سے دور ہٹ گیا۔ جب وہ لکھ کر فارغ ہوئی تب تک وہ سو چکا تھا۔

فیصل نے بھی اس پہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ اس کی ساری باتیں سن چکا ہے۔

"میں گاڑی نکالتا ہوں، آ جاؤ۔" بالوں میں برش پھیر کر وہ باہر آ گئی۔

پروا نیلم آنٹی اور راحیلہ سے مل کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

اس کی غیر معمولی خوشی ان دونوں نے بھی محسوس کی تھی۔

☆ ☆ ☆
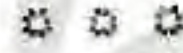
پروا کو گیٹ پہ اتار کر وہ گاڑی واپس موڑ رہا تھا۔ جب وہ تیز تیز قدموں سے چلتی اس کے پاس آئی۔

"آپ اندر نہیں آئیں گے؟" وہ کھڑکی کے شیشے پہ بازو رکھ کر اس کی طرف جھک کر بولی۔ پروا نے میرون کلر کا بہت خوب صورت سوٹ پہنا ہوا تھا اس کے گلے پہ

سوٹ کے ہم رنگ بڑے پیارے بن گئے تھے۔ اس نے ایک دم نگاہ چرائی۔

"نہیں میں لیٹ ہو رہا ہوں پھر کبھی سہی۔"

"آپ رات کو آئیں گے تو نہیں نا؟" وہ تصدیق چاہ رہی تھی۔

"نہیں۔ میں نہیں آؤں گا۔ تم آرام سے آنٹی کے پاس رہو، جب آنے کا موڈ ہو مجھے فون کر دینا۔" وہ اندرونی کش مکش پہ قابو پا کر بظاہر نارمل انداز میں بولا۔

"او تھینک یو سو مچ۔ یو آر گریٹ۔" وہ خوشی کے مارے بے قابو ہو رہی تھی۔ اس نے گنگناتے ہوئے ڈور بیل بجائی تھی۔

"یہ شاعر، ادیب، یہ تصوراتی کتنے دو رُخے ہوتے ہیں۔ اوپر سے کچھ، اندر سے کچھ۔ منافق، دنیا کو پیار و محبت، امن کا درس دینے والے اور خود اندر سے نازک جذبات کی قدر نہ کرنے والے۔ پروا نئی نسل کی نمائندہ شاعرہ ہے جس کے بارے میں سب کہتے ہیں کہ جو لوگوں کے دلوں میں ہوتا ہے وہ قلم سے بیان کرتی ہے۔ خود کو محبت کا سفیر کہتی ہے اور اندر سے اسے اپنے سب سے قریبی رشتے کے جذبات کا احساس تک نہیں ہے۔ لوگ اسے حساسیت کی دیوی کہتے ہیں اور یہ حساس لوگ خود سے وابستہ لوگوں کے بارے میں اتنے بے رحم کیوں ہو جاتے ہیں۔ کاش یہ لوگ جو کچھ لکھتے ہیں خود بھی اس کا پاس اور خیال کر لیا کریں۔"

آفس پہنچنے تک وہ ان ہی خیالات میں گھرا رہا۔

☆ ☆ ☆

رات سونے سے پہلے تک بھی پروا کو یقین نہیں تھا کہ وہ اسے لینے نہیں آئے گا۔ رات قطرہ قطرہ گزرتی چلی گئی۔ اور یہ شادی کے بعد پہلی رات تھی جو اس نے فیصل سے دور ہو کر گزاری تھی۔ صبح دیر تک وہ سوتی رہی۔ اقرا نے بھی نہیں اٹھایا۔ دس بجے کے قریب وہ خود ہی اٹھی تو اس نے اپنے ہاتھوں سے پروا کے لیے ناشتا بنایا۔ سردیوں میں وہ انڈا پراٹھا بڑی رغبت سے کھاتی تھی۔ سو موسم کی مناسبت سے اس کی پسند کا ناشتا تھا۔ اس نے بڑے شوق سے پورا پراٹھا ختم کیا۔ دوپہر کے کھانے میں گاجر کا حلوہ بطور خاص اقرا نے اس کے لیے بنایا۔ آج ڈاکٹر انجم بھی جلدی لوٹ آئے۔

پروا کے لیے تو یہ دن بڑی خوشی کا تھا۔ فیصل آج بھی نہیں آیا تھا۔ سو وہ بہت زیادہ خوش تھی۔ شادی سے پہلے والی زندگی جیسا لطف آ رہا تھا۔ وہی روز و شب لوٹ آئے تھے۔ اس دوران اس نے ایک بڑے مشاعرے میں بھی شرکت کی تھی۔ مشاعرے کی یہ محفل پروا کے ایک پرستار نے سجائی تھی اس مشاعرے میں اس جیسے فن کے اور قدردان بھی موجود تھے۔ انہی میں جمال صدیقی بھی تھا۔ اکثر مشاعروں میں وہ پروا کو دیکھ اور سن چکا تھا۔ پروا اور غزل کی شاعری اور خوب صورتی کا وہ دل سے معترف تھا۔ مشاعرے کے بعد کھانے پینے کا بھی انتظام تھا۔ اس دوران موقع پا کر جمال صدیقی پروا کے قریب چلا آیا۔ وہ پروا سے اس کی شاعری کے بارے میں باتیں کر رہا تھا۔ موضوعات ایسے تھے کہ لا محالہ وہ دلچسپی لینے پہ مجبور تھی۔

"اگر آپ کو برا نہ لگے تو کبھی کبھی آپ سے بات کر لیا کروں؟" وہ بڑی دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا جو ماتھے پہ آئے بالوں کو پیچھے کر رہی تھی۔

"کیوں نہیں ضرور کیجیے۔"

"تو پھر اپنا کوئی کانٹیکٹ نمبر دیجیے۔" وہ اچانک بولا تو پروا خاموش سی ہو گئی۔

"اوکے یہ ہے میرا نمبر۔" اس نے کچھ سوچ کر اپنا نمبر جمال صدیقی کو دے دیا۔

☆ ☆ ☆
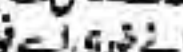
چار دن گزر گئے تھے۔ فیصل نے ایک بار بھی رابطہ نہیں کیا تھا۔ پروا نے خود ہی اسے فون کیا تو نمبر بند تھا۔ اس کے بعد اس نے سسرال کا نمبر ملایا۔ فون ملازمہ نے ریسیو کیا۔ تراب انکل اور نیلم آنٹی گاؤں گئے ہوئے تھے۔ راحیلہ اپنے بیڈ روم میں تھی۔ سو گھر

پروا کی نیند پہ بھی گویا حق پڑھا ہوا تھا۔
نیلم خوش ہو گئیں۔ وہ اس گھر کے مکینوں کو اپنا ہی سمجھتی تھی جبکہ رابعہ تراب بیگم ان کی بیٹی ہونے کے باوجود مہمانوں والا سلوک کرتی تھی۔

"ہاں ضرور جاؤ" وہ بھی کل آئی تو پوچھ رہی تھی تمہارا اس کے پاس خوش خبری ہے تمہارے لیے۔"

"کون سی خوش خبری؟" وہ بے کلی سے بولی تو نیلم نے محبت پاش نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے خوش خبری بھی سنا ڈالی۔ شادی کے ڈھائی سال بعد دُرِ شہوار پہلی بار امید سے ہوئی تھی۔

پروا کپڑے بدل کر اسی وقت دُرِ شہوار کی طرف آگئی۔ وہ بہت محبت سے ملی پروا نے مبارک باد دی تو دُرِ شہوار کو سلویٰ کا شکوہ یاد آگیا۔

"سلویٰ کا فون آیا تھا پرسوں۔ بہت پوچھ رہی تھی تمہیں اور کہہ رہی تھی کہ تم اتنی سست کیوں ہو گئی ہو۔"

"میں آج ہی اس سے بات کروں گی میں ان دنوں بہت بزی ہوں' رزلٹ بھی آنے والا ہے اور ٹی وی پروگرامز کی ریکارڈنگ کے لیے بھی جانا ہے۔" اس نے مصروفیات کی تفصیل بتائی تو دُرِ شہوار نے اسے رشک سے دیکھا۔

"میں بہت خوش قسمت ہوں جو تم جیسی بھابھی ملی ہے۔ جہاں بھی جاتی ہوں لوگ تمہارا حوالہ دیتے ہیں۔ کتنے لوگ تمہیں اپنے آنگن کا چاند بنانا چاہتے ہوں گے' لیکن یہ فیصل بھائی کی گڈ لک ہے کہ پروا اور نگل بھی یہ چاند ان کے آنگن میں اترا۔" دُرِ شہوار کے لہجے میں روایتی نند والا کوئی جلاپا نہیں' بلکہ صرف اس کی محبت بول رہی تھی۔ وہ اندر تک سرشار ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

فیصل ابھی تک نہیں آیا تھا۔ پروا چاہتی تو فون کرکے اسے اپنی آمد کا بتا سکتی تھی۔ لیکن وہ اسے سرپرائز دینا چاہتی تھی کہ اچانک اسے سامنے پاکر وہ بہت خوش ہو گا۔ اس کی بے تابیوں اور شدتوں کا تصور کرکے وہ خود سے بھی شرما گئی۔

اس نے وارڈروب سے میرون کلر کا خوب صورت سا سوٹ نکالا۔ یہ کلر اسے بہت پسند تھا۔ اس نے لائٹ سا میک اپ کیا اور دراز بال کھلے چھوڑ دیے۔ رات کے وقت فیصل کبھی بھی اسے بال باندھنے نہیں دیتا تھا۔ اگر بندھے ہوتے تو وہ خود اس کا کیچر اتار دیتا تھا۔

"آپ کو تو پولیس ڈپارٹمنٹ کے بجائے کہیں اور ہونا چاہیے تھا۔" اس کی حد درجہ چاہت سے وہ بھی کبھی خائف ہو جاتی تھی۔

"میری اسویٹ جانِ جاں! یہ نرمی' یہ محبت صرف تمہارے ساتھ مخصوص ہے' ورنہ اپنے ڈپارٹمنٹ میں' میں بہت سخت مشہور ہوں۔ تم شکر کیا کرو اس بات پہ کہ میں گھر میں پولیس آفیسر والا سلوک نہیں کرتا۔" وہ شرارت سے کہتا۔ یاد آتے ہی پروا کے لبوں پہ مسکراہٹ آگئی۔ صندلی اس نے کل ہی رطابہ سے لگوائی تھی۔ ابھی اپنے اوپر ڈھیر سارا پرفیوم اسپرے کرنے کے بعد اس نے کمرے کو بھی ایئر فریشنر سے مہکا دیا۔

اب اسے شدت سے فیصل کا انتظار تھا۔ پورے ایک ہفتے بعد اسے دیکھنے اور ملنے کا تصور ہی کتنا جان فزا تھا۔ ان چند دنوں کی دوری نے سب محسوسات کو کتنا بڑھا دیا تھا۔ اس کا انتظار کرتے کرتے جانے کب پروا کی آنکھ لگی اسے خبر نہیں ہوئی۔

فیصل کی آمد پہ چوکیدار نے گیٹ کھولا۔ دو بج گئے تھے۔ چوکیدار خود بھی اونگھ رہا تھا۔ ہلکی بارش اب بھی جاری تھی۔ اس نے بیڈ روم کا دروازہ کھولا تو اندر زیرو پاور کا بلب جل رہا تھا اور پروا محو خواب تھی۔ اسے خوشگوار حیرت ہوئی۔ وہ بیڈ کے قریب کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ پروا کے کھلے دراز بال اس کے دونوں سائیڈ پہ بکھرے ہوئے تھے اور چہرہ چھپا ہوا تھا۔ ایک لمحے کے لیے اس کا جی چاہا کہ اس کے بکھرے بالوں کو اس کے چہرے سے ہٹا دے مگر دل کو اس نے سمجھا

لیا۔

وہ چینج کرکے اس کے قریب لیٹا تو پروا نے اس کی طرف کروٹ لی۔ وہ تھوڑا پرے ہو گیا۔ پروا کی حسیات اس کے معاملے میں بہت تیز تھیں۔ اس کی آنکھ خود بخود ہی کھل گئی تھی۔

"آپ کب آئے ہیں؟" اس کا غنودگی میں ڈوبا ذہن کچھ ہی دیر میں بیدار ہو گیا۔

"چند منٹ پہلے۔" وہ اس کی طرف دیکھ نہیں رہا تھا۔ "تم پلیز سو جاؤ۔" اس نے کروٹ بدل لی۔

"آپ سلا دیں نا!"

"مجھے خود نیند آ رہی ہے' سو جاؤ۔" پروا اس کے قریب آ گئی۔

"میں نے اپنی جگہ سونا ہے۔" اس وقت وہ بہت ضدی ہو رہی تھی۔

پروا نے اس کے سینے میں منہ چھپا لیا تھا اور دوسرا ہاتھ اس کے اوپر رکھ دیا تھا۔

"فیصل! میں نے آپ کو بہت مس کیا' رات کو بہت دیر سے سوئی تھی۔"

"کیوں؟"

"آپ جو میرے پاس نہیں تھے اس لیے۔" پروا کے بے ساختہ اظہار نے اسے سرشار کر ڈالا۔ بارش کا جو خول اس نے چڑھایا ہوا تھا آہستہ آہستہ ٹوٹنے کے قریب تھا۔

"نیند تو تمہیں اب بھی نہیں آئے گی۔"

"کیوں؟ اب کیوں نہیں آئے گی؟"

"اب میں جو پاس ہوں' سونے دوں گا اتنی آسانی سے۔" پروا نے مسکراتے ہوئے نظریں چرا لیں۔

☆ ☆ ☆

پروا کا رزلٹ آؤٹ ہو چکا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اس نے اپنی سابقہ پوزیشن برقرار رکھی تھی۔ اپنے ڈپارٹمنٹ میں اس نے سیکنڈ پوزیشن لی تھی۔ رابعہ بیگم بہت خوش ہوئی تھی۔

نیلم اور تراب افتخاری کے سب جاننے والے پروا کے حوالے سے انہیں مبارک باد دے رہے تھے۔ ادھر اس کے میکے سے بھی اقرا اور انجم آئے ہوئے تھے۔ سلویٰ نے فون کرکے اس کی کامیابی کی خوشی کو دوبالا کر دیا تھا۔ سب سے زیادہ حیرت اسے عقیل صدیقی کے فون کرنے سے ہوئی۔ اس نے بڑے خلوص سے اسے مبارک باد دی تھی اور آئندہ کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کیا تھا۔ اس نے بذریعہ ٹی سی ایس سے پروا کو پھول اور مٹھائی بھی بھجوائی۔ پروا کے دل میں چور نہیں تھا۔ اس کے پرستاروں میں ہر طرح کے لوگ شامل تھے۔ جس میں عورت' مرد کی تخصیص نہیں تھی۔

ساتھی شعراء نے اور عرفان بلال نیازی نے امتحان میں پروا کی کامیابی کو اپنے انداز سے سلیبریٹ کیا۔ عرفان بلال نیازی نے پروا کو دیگر شعراء سمیت اپنے گھر مدعو کیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا جو انہوں نے اسے اپنے گھر بلایا تھا۔ ان کا ہلکا پھلکا سا مشاعرے کا بھی پروگرام تھا۔ پروا کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا اس نے فیصل کو بھی چلنے کا کہا مگر وہ بہت بزی تھا۔

اس کی ماتحتی میں جو نیا عملہ آیا تھا ان میں سے ایک لائبہ رحمان بھی تھی۔ بطور اے ایس پی وہ اپائنٹ ہوئی تھی اور خطرناک حد تک وہ مغرور تھی۔ ایس پی اظفر شاہ نے بطور خاص اس سے سفارش کی تھی کہ لائبہ پہ توجہ دینا اس کی نئی نئی جاب ہے' کچھ زیادہ پتا نہیں ہے اسے اور نہ ہی اس فیلڈ کے اتار چڑھاؤ سے واقف ہے۔

لائبہ رحمان اظفر شاہ کے دوست کی بیٹی تھی اس لیے وہ بھی اس کی سفارش پہ مجبور تھے۔ چند ہی دنوں میں فیصل کو اندازہ ہو گیا کہ لائبہ رحمن کو شروع سے ایک ایک بات سمجھانی ہو گی۔

وہ اس شوق میں اس فیلڈ میں آئی تھی۔ فیصل نے پہلے دن جب اس سے پوچھا کہ یہ پروفیشن منتخب کرنے کی کوئی خاص وجہ؟ تو اس نے بڑی بے نیازی سے بتایا کہ "سسز میں نے کچھ موویز دیکھیں' جن کا مین کریکٹر پولیس وومن تھی۔ میں نے تب ہی سوچ لیا تھا کہ مجھے

بڑھ کر پروفیشن پارلیمنٹ میں جاتا ہے، حالانکہ ہماری فیملی میں اکثر لوگ ڈاکٹر یا وکیل ہیں، لیکن مجھے نہیں پسند، سو میں اس طرف آ گئی۔" فیصل کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

شروع میں لائبہ بہت سیریس تھی کیونکہ اسے پتا تھا کہ یہ جاب اس کی ضرورت یا مجبوری نہیں ہے، لیکن فیصل کی ماتحتی میں کام کرتے کرتے اسے دلچسپی پیدا ہو چلی تھی۔ اس کی غیر سنجیدگی دم توڑ رہی تھی۔ اور فیصل اس کایا پلٹ پہ بہت خوش تھا۔ اسے اب یقین ہو چلا تھا کہ لائبہ رحمان بہت ترقی کرے گی کیونکہ اس میں سیکھنے کی صلاحیت موجود تھی۔

☆ ☆ ☆

پروا فیصل سے خفا سی تھی کیونکہ اس نے عرفان بابل نیازی کے گھر جانے سے معذرت کر لی تھی۔ اس کے حلقہ احباب میں سے بہت سے لوگوں نے فیصل کو نہیں دیکھا تھا۔ وہاں سب سے اسے ملوانا چاہتی تھی۔ در پردہ اس کے پیچھے فخر و ناز کا جذبہ کار فرما تھا کہ اس جیسا شاندار اور مردانہ وجاہت والا اس کا شوہر ہے۔ اس کا خیال تھا کہ اسے اکیلے ہی جانا پڑے گا، لیکن اس وقت اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی، جب رابعہ نے کہا کہ میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔

پروا کو اور کیا چاہیے تھا۔ رابعہ نے خود آمادگی ظاہر کی تھی۔ بڑے عرصے بعد وہ خوش گوار موڈ میں نظر آتی تھی، ورنہ پروا کے ساتھ اکثر اوقات وہ مخصوص انداز میں طنزیہ لہجہ اپنائے رکھتی۔

عرفان بابل نیازی کا گھر کافی کشادہ اور سلیقے سے سجا ہوا تھا۔ یہ سارا سلیقہ ملازموں کا مرہون منت تھا۔ ورنہ اس پہ ہوتا تو گھر کسی کباڑ خانے کا نقشہ پیش کر رہا ہوتا۔

جمال صدیقی بھی عرفان بابل نیازی کے مہمانوں میں شامل تھا۔ رابعہ پروا کی پذیرائی پہ ایک بار پھر اندر ہی اندر جل رہی تھی اور اس وقت خود کو کوس رہی تھی جب اس کے ساتھ یہاں آنے کی حامی بھری تھی۔

جمال صدیقی موقع پا کر پروا کے پاس آ گیا۔ "میں نے کوریئر سروس سے آپ کی کامیابی پہ پھول اور مٹھائی بھجوائی تھی۔"

"جی ہاں! مجھے مل گئی تھیں دونوں چیزیں۔ لیکن مٹھائی تو مجھے کھلانی چاہیے تھی۔"

"ایک ہی بات ہے۔ ہاں اگر مٹھائی کھلانے پہ بضد ہیں تو پھر آپ کو میری ایک بات ماننا ہوگی۔" جمال صدیقی کچھ دیر کے لیے قصداً خاموش ہو گیا اور پروا کے چہرے پہ اپنی مرضی کے تاثرات تلاش کرنے لگا تو وہ جلدی سے بول پڑی۔

"کون سی بات؟"

"میں اگر آپ کو پی سی میں لنچ پہ انوائیٹ کروں تو میری دعوت قبول کر لیں گی آپ؟" پروا کا پورا سراپا مسلسل اس کی نظروں کی گرفت میں تھا۔

"یہ بہت مشکل ہے۔ میں اپنے ہزبینڈ سے پوچھ کر بتاؤں گی۔" پروا نے صاف انکار کیا تو وہ پھر بھی باز نہیں آیا۔

"ایک تو یہ بڑی خرابی ہے گلاب کے ساتھ کوئی نہ کوئی کانٹا لگا ہی ہوتا ہے۔" اس کے گہرے طنز کو پروا اچھی طرح سمجھ گئی تھی اور اسے برا بھی لگا تھا۔

"یہ کانٹا ہی تو گلاب کا محافظ ہوتا ہے، یہ کانٹا نہ ہو تو پھول کی قدر و قیمت کون جانے۔" پروا نے بڑے لطف سے لہجے میں اس کا وار اس کو لوٹایا تھا مگر اس نے ذرا بھی برا نہیں مانا۔

"صرف حسین ہی نہیں ذہین بھی ہو اور حسن و ذہانت جہاں اکٹھے ہو جائیں وہاں ہم جیسے کمزور دل لوگ خود کو کیسے سنبھالیں۔" جمال صدیقی اب کھل کر سامنے آ رہا تھا۔

"جمال صاحب! یہ حسن و ذہانت اب کسی اور کی ملکیت ہے۔ ہر کوئی اس پہ حق نہیں جتا سکتا۔" وہ غصے سے کھول اٹھی تھی۔

"معلوم ہے۔ سب معلوم ہے، لیکن اگر۔۔۔" جمال صدیقی کچھ کہتے کہتے رک گیا تھا اور پروا آگے چلی گئی تھی۔ یہ دیکھے بغیر کہ اس کی پچھلی کرسی پہ بیٹھی

رابعہ اس کے اور جمال صدیقی کے مابین ہونے والی گفتگو سن چکی ہے۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ پروا کے ساتھ آنا بالکل ہی فضول نہیں گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"پروا لوگ تمہیں اتنا پسند کرتے ہیں، مجھے آج پتا چلا ہے۔" رابعہ رشک و حسد سے کہہ رہی تھی۔

"مجھے نہیں رابعہ! بلکہ میری شاعری کو۔" اس نے تصحیح کی مگر رابعہ نہیں مانی۔

"شاعری کے ساتھ ساتھ تم خود بھی تو خوب صورت ہو اور اس بات کا تمہیں ایڈوانٹیج ملتا ہے۔ سو مان لو۔"

"لیکن رابعہ! مجھ میں تخلیقی جوہر نہ ہوتا تو میری خوب صورتی کو کسی نے نہیں پوچھنا تھا۔"

"یہ تو نہ کہو آج بہت سے لوگوں کو میں نے تمہارے ارد گرد منڈلاتے دیکھا تھا جن میں وہ گرے تھری پیس سوٹ میں براؤن بالوں والا ڈیشنگ سا مرد بھی تھا۔" پروا کو دل میں تسلیم کرنا پڑا کہ رابعہ کی نگاہ بہت گہری ہے۔

"ہاں۔ وہ جمال صدیقی ہے۔ بزنس ٹائیکون ہے۔ اکثر مشاعروں میں آتا رہتا ہے۔" اسے کچھ نہ کچھ بتانا ہی تھا۔

"ہاں تو عرفان بابل نیازی بتا رہے تھے کہ تمہارا بہت بڑا پرستار ہے۔" رابعہ نے اندھیرے میں تیر چھوڑا تھا جو نشانے پہ بیٹھا۔ پہلی بار پروا گھبرائی کیونکہ رابعہ سے بھی کبھی اسے بہت خوف محسوس ہوتا تھا۔ اس نے اکثر نوٹ کیا تھا کہ جب وہ اور فیصل اکٹھے بیٹھے باتیں کر رہے ہوتے ہیں یا ہنس بول رہے ہوتے ہیں تو اس پہ رابعہ کی نگاہ ترستے ہوئے حسرت آمیز انداز میں ان کا طواف کر رہی ہوتی ہے۔ فیصل سے اس نے کبھی اس کا ذکر نہیں کیا تھا، لیکن دل میں بدگمانی ضرور تھی۔

"ہاں! جمال صدیقی میری شاعری کو بہت پسند کرتا ہے۔" اس نے کہہ کر اپنی جان چھڑائی اور رابعہ کے پاس سے اٹھ گئی۔

☆ ☆ ☆

پروا کے ٹی وی پروگرام کی ریکارڈنگ چل رہی تھی۔ اس سلسلے میں اسے روزانہ ٹی وی اسٹیشن جانا پڑتا۔ اس پروگرام میں اس کی شاعری کے حوالے سے اس سے گفتگو کی گئی تھی اور ساتھ اس کا کلام دو معروف گلوکاروں کی آواز میں ریکارڈ کیا گیا تھا۔ آج ریکارڈنگ کا آخری دن تھا۔ فنی آلات میں خرابی کی وجہ سے ریکارڈنگ میں کافی دیر ہو گئی تھی۔ اسٹوڈیو میں تو وقت کا اندازہ نہیں ہوا۔ لیکن جب وہ ٹی وی اسٹیشن سے باہر نکلی تو کالی رات ہر سو پھیل چکی تھی۔ موسم بھی سرد اور ابر آلود تھا۔

اس نے منان بھائی کو کال کی کہ اسے ٹی وی اسٹیشن سے پک کر لیں۔ کیونکہ فیصل تین دن سے لیٹ آ رہا تھا۔

پروا منان کے ساتھ گھر پہنچی تو سب سے پہلے ہی فیصل سے ہی سامنا ہوا۔ اس نے سلام کیا۔ مگر اس نے یوں ظاہر کیا کہ جیسے سنائی نہ دیا ہو۔ اس نے دوبارہ سلام کیا تو اس بار اس نے اسے غصے سے دیکھا۔

"یہ وقت ہے تمہارے آنے کا؟"

"سوری۔ ریکارڈنگ میں دیر ہو گئی تھی۔"

"تمہیں گھر کا اور میرا ہوش بھی ہے کہ نہیں یا صرف اپنی شہرت اور شاعری کی ہی پڑی ہوئی ہے۔ میری فیملی کی کوئی عورت اس طرح گھر سے نہیں نکلی۔ میں نے تم پہ کوئی پابندی نہیں لگائی۔ صرف اس وجہ سے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں، لیکن اس محبت کا تم کو ناجائز فائدہ اٹھانے نہیں دوں گا۔ یاد رکھنا، عورت کے لیے اس کا شوہر اور گھر پہلے نمبر پہ ہوتا ہے، جو عورتیں اس کا خیال نہیں رکھتیں، ان کے گھر ٹوٹ جاتے ہیں۔"

آج پہلی بار پروا نے اسے یوں غصے میں دیکھا تھا۔ فیصل کی آواز بلند ہو گئی تھی۔ رابعہ بھی دروازے پہ آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

پروا نے اسے قتل ... روتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی۔

صد شکر کہ تراب اور نیلم گھر پہ نہیں تھے' ورنہ فیصل کو اس قدر غصے میں دیکھ کر جانے کیا مطلب لیتے۔

فیصل کھانا کھا کر کافی دیر بعد بیڈ روم میں آیا۔ ملازمہ دوبار پروا کو کھانے کے لیے بلانے آئی' مگر پروا نے بھوک نہ ہونے کا بہانہ کرکے اسے ٹال دیا۔

پروا کو پورا یقین تھا' ابھی کچھ ہی دیر میں فیصل کو اپنے غصے کی بدصورتی کا احساس ہوگا اور وہ اسے سوری کرنے آئے گا۔

لیکن آ کے وہ لیٹ گیا۔ پروا اب بھی رو رہی تھی۔ اس نے ایک بار بھی اسے چپ کروانے کی کوشش نہیں کی اور نہ کھانے پہ اصرار کیا۔

ہچکیوں سے پروا کا سارا وجود ہل رہا تھا۔ مگر آج فیصل بے حس بنا ہوا تھا۔ دل کے سارے درد کو اس نے نظم کے سپرد کر دیا۔

زہریلے لفظوں سے
نوکیلے لفظوں سے
اپنے تیز لفظوں سے
تو نے مجھ کو آج
چھلنی چھلنی کر دیا ہے
تو نے مجھے ریزہ ریزہ کر دیا ہے
مجھے اپنے ہی آنسوؤں کی قبر میں
تو نے زندہ دفن کر دیا ہے
تو نے زندہ دفن کر دیا ہے

وہ لکھنے پہ آئی تو لکھتی چلی گئی۔ اس نظم کا عنوان اس نے "بارہ دسمبر کی رات" رکھا تھا۔ یہ رات اسے کبھی بھولنے والی نہیں تھی۔ محبت کرنے والے فیصل کا یہ نیا روپ اس جیسی حساس دل لڑکی کے لیے کتنا اجنبی اور ناقابل برداشت تھا۔ آج اس نے پروا کے لیے اپنے دل کے دروازے اور بازو دونوں نہیں کھولے تھے۔ پروا کی سائیڈ پہ وہ خود پھیل کر لیٹا ہوا تھا۔ وہ بھی اپنا تکیہ اٹھا کر صوفے پہ چلی آئی۔

رات کے کسی پہر فیصل کی آنکھ کھلی تو نیند میں اس کے بازوؤں نے پروا کو ڈھونڈا۔ وہ بیڈ پہ ہوتی تو ملتی۔ تب فیصل کے حواس پوری طرح جاگ گئے۔ صوفے پہ اسے سوتے دیکھ کر فیصل کو سب یاد آگیا۔

"پروا صاحبہ! یہ تمہاری بھول ہے کہ میں تمہیں مناؤں گا۔" کروٹ بدل کر وہ سونے کی کوشش کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

تراب لغاری کے پرانے ملازم رحمت کے بیٹے کی گاؤں میں شادی تھی۔ اس نے مالکوں سے بھی اپنی خوشیوں میں شریک ہونے کی درخواست کی تھی۔

رحمت برسوں پرانا ملازم تھا۔ گاؤں میں تراب لغاری کی زمینیں سنبھالنے اور مزارعوں سے کام لینے کی ذمہ داری رحمت کے بیٹے کی ہی تھی۔ منورہ بیگم کے بعد کی وجہ سے تراب لغاری نے اپنا گاؤں اور آبائی زمینوں سے بالکل ہی تو ناتا نہیں توڑا تھا۔ مہینے میں ایک آدھ بار وہ خود بھی گاؤں کا چکر لگا لیتے تھے۔ اس بار تو رحمت نے خصوصی دعوت دی تھی۔ چنانچہ انہوں نے پورے گھر کو تیار کیا تھا۔ وز شہوار اور بابر بھی جا رہے تھے۔ فیصل لغاری کو تین چھٹیاں بہت عرصے بعد ملی تھیں' سو وہ بھی جا رہا تھا۔ رہی پروا تو وہ پہلی بار گاؤں جا رہی تھی۔ وہ شہر میں پیدا ہوئی اور پلی بڑھی تھی۔ کسی گاؤں میں جانے کا پہلا موقع تھا اور وہ سب کچھ بھول کر تیاری کر رہی تھی۔

راحیہ جانا تو نہیں چاہتی تھی مگر ماموں کا حکم تھا کہ رحمت کے بیٹے کی شادی میں سب چلیں گے۔ وہ مجبوری کے تحت جا رہی تھی۔

جمعہ کی شام کو سب اکٹھے ہو کر اپنی اپنی گاڑیوں میں نکلے تھے۔ پروا فیصل کے ساتھ آگے بیٹھنے کے بجائے پیچھے بیٹھی تھی۔

پورا راستہ وہ باہر کے مناظر میں گم رہی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی۔

سیب اور انار کے باغ کے بالکل ساتھ جو عمارت بنی

تھی' اس میں ان سب کے ٹھہرنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ رحمت کے بیٹے نے ان کے آنے سے پہلے ہی گھر کی صفائی کروا دی تھی۔ گھر کافی پرانا تھا لیکن اب بھی زمانے کے لحاظ سے اس میں چند ضروری تبدیلیاں تراب لغاری نے کچھ عرصہ پہلے ہی کروائی تھیں۔

رات کا کھانا رحمت کے گھر تھا۔ دیسی گھی میں پکا ساگ اور تندور کی موٹی روٹیاں اور مزے دار چاول ان سب نے ہی پیٹ بھر کر کھائے۔

کل رحمت کے بیٹے کی بارات' پرسوں ولیمہ اور پرسوں ہی ان کی واپسی تھی۔ آج رحمت کے گھر رت جگا تھا۔ موسم بہت سرد اور ٹھنڈا تھا۔ سردی سے ٹھٹھرنے کے لیے کوئلے کی انگیٹھیاں [illegible] نکالی گئی تھیں۔ جس جگہ وز شہوار' پروا' راحیہ اور نیلم بیٹھی تھیں وہاں رحمت کی بیوی نے بطور خاص ان کے لیے انگیٹھی منگوا رکھی تھی۔ پروا کو یہ سب بہت رومینٹک لگ رہا تھا۔ تراب لغاری تو جلدی سونے چلے گئے۔ البتہ بابر' حسان اور فیصل لڑکیوں کے ساتھ ہی رہے' یہ سب ایک سائیڈ پہ تھے۔

اور مہمان بھی جمع تھے۔

واجد کی بیوی راشو کی آواز بہت اچھی تھی۔ عورتوں کی فرمائش پہ اس نے بہت سے ماہیے سنائے۔

بہت سے پنجابی گانے اسے ازبر تھے۔ عورتیں دلچسپی سے اسے سن رہی تھیں۔ سب سے پرجوش پروا تھی۔ ساری عمر بڑے بڑے شہروں میں گزار کر آج دیہات کی خالص اور کھلی فضا میں آکر اس نے جیسے ایک نئی دنیا دریافت کی تھی۔ رات کے قطرہ قطرہ ٹپکتے سناٹے میں راشو کی آواز نقش سی سحر رنگ رہی تھی۔

میں تے میرا دلبر جانی
بلیاں تے پیار کہانی
ساہواں نچ گیا اے طوفان
موسم ہویا اے بے ایمان

میں تے میرا دلبر جانی

(میں اور میرا محبوب ہیں۔ ہمارے ہونٹوں پہ پیار کی کہانی ہے۔ سانسوں میں طوفان کی کیفیت ہے اور موسم بھی بے ایمان ہو رہا ہے۔)

راشو نے نیا نغمہ چھیڑا تھا۔ اس کے بول پروا کو متوجہ کر گئے تھے۔

تیرے ہتھ وچ ہتھ نے میرے
ہر پاسے اگ بل دی جاوے
میں سڑ بل کے عمر گزاراں
پیار نوں کوئی آنچ نہ آوے
ٹھنڈیاں نے سرد ہواواں
تینوں میں کی سمجھاواں
من دیاں ایں کاتوں انجان

(تمہارے ہاتھ میں میرے ہاتھ ہیں اور ہر طرف آگ جل رہی ہے۔ میں جل بھن کر عمر گزار دوں اور پیار پہ آنچ نہ آنے دوں۔ سرد ہوائیں گرم ہیں۔ میں تمہیں کیسے سمجھاؤں' تم کیوں انجان بن رہے ہو۔)

پروا کے اندر بھی ویسی ہی آگ سلگنے لگی تھی۔ فیصل سامنے بابر کے ساتھ ہی تو بیٹھا تھا۔

راشو کے گائے نغمے کے بولوں نے اس کے من اندر سلگتی آگ کو کچھ اور بھی بھڑکا دیا تھا۔

تاروں بھری سرد رات کھلے آسمان تلے شامیانے' جسم کو حرارت دیتی کوئلے کی انگیٹھیاں' دیہات کی مخصوص فضا اور راشو کی گہری بھاری' دلکش آواز ان سب نے مل کر پروا کو بے خود سا کر دیا تھا۔ فیصل کو ان ساری خوب صورتیوں کا کیوں احساس نہیں ہو رہا تھا' کیوں وہ اس سے لاتعلق بنا ہوا تھا؟ ایک چھوٹی سی بات پہ کوئی اس طرح بھی روٹھتا ہے؟

خنک رات جوں جوں آگے بڑھ رہی تھی اور بھی سرد ہو رہی تھی۔ وز شہوار گرم کپڑوں اور سوئٹر میں ملبوس ہونے کے باوجود کانپ رہی تھی۔ کوئلوں کی حدت کب کی ختم ہو چکی تھی۔ اس نے اشارے سے بابر اور فیصل بھائی کو چلنے کا اشارہ کیا۔ رات بھی کافی ہو گئی تھی اور راشو بھی تھک گئی تھی۔

بلکہ پروا کی دلچسپی اور اشتیاق دیکھ کر خاموش بیٹھا تھا ورنہ سردی سے دانت اس کے بھی بجنے لگے تھے۔

رات پروا کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں اس نے شکر کیا کہ سب وہاں سے اٹھے۔ واپسی پہ پارک کے پاس سے گزرتے ہوئے پروا چند لمحے کے لیے رک گئی تھی۔ سیبوں اور اناروں کی ملی جلی خوشبو فضا کا حصہ بنی ہوئی تھی۔ چاندنی میں نہائی ہوئی رات اسے بے ساختہ اپنی طرف بلا رہی تھی۔ فیصل کی خفگی کا ڈر نہ ہوتا تو وہ تھوڑی دیر کے لیے یہاں ضرور رکتی۔ مگر ہاتھوں کو جو ٹھنڈ آ رہی تھی ناچار اسے بھی قدم بڑھانے پڑے۔

فیصل نائٹ گاؤن پہن کر باتھ روم سے باہر آیا تو وہ بالوں میں برش پھیر رہی تھی۔ اس نے جونہی برش رکھا تو فیصل جو اس کے پیچھے کھڑا تھا اس نے برش اٹھایا۔ وہ اس کے بولنے کا انتظار کر رہا تھا۔ پروا نے اپنی انا کے سر پہ پاؤں رکھ دیا۔

"بہت ناراض ہیں کیا؟ ابھی تک غصہ نہیں اترا ہے؟" اس نے اپنی نازک بانہیں فیصل کے گلے میں حمائل کر دیں۔

"پلیز بولیے نا! میں اس ناراضی سے تنگ آ گئی ہوں۔" فیصل نے اس کے بازو ہٹا دیے۔

"سو جاؤ، مجھے نیند آ رہی ہے۔" اس کی طرح اس کا لہجہ بھی سرد تھا۔ پروا بے بسی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"مجھے کوئی نیند نہیں آ رہی ہے۔ آج بہت سی باتیں کریں گے جو میں اب تک کہہ نہیں پائی ہوں۔" پروا کا لہجہ بہت دھیما اور آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔

"میں سونا چاہتا ہوں، پلیز۔"

"میں نے تمہیں سونے دیا۔" پروا پہلی بار ضد پہ اتری تھی۔ اب وہ تھکے اور کڑے تیوروں سے اسے گھور رہی تھی۔ فیصل کے لبوں پہ مسکان آ گئی جو اس بات کا ثبوت تھی کہ اس کی ناراضی ختم ہو چکی ہے۔ لیکن اسے مسکراتے دیکھ کر پروا کی آنکھوں میں موتی چمکنے لگے تھے۔ فیصل نے بڑی نرمی سے اس کا سر سینے سے لگا لیا۔

"پری! تم سے خفا رہ کر میں خود بھی بہت اداس تھا۔ لیکن مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں شہرت کی چمک دمک تمہیں مجھ سے چھین نہ لے۔ میں ڈرتا ہوں اس بات سے۔ مجھے پتا ہے تم صرف میری ہی ہو۔ لیکن تمہارے بہت سے پرستار ہیں، بہت چاہتے ہیں تمہیں۔ اور میں بھی اس بات کو پسند نہیں کروں گا کہ کوئی تمہیں میری طرح چاہے۔"

وہ اس حد تک حساس تھا، اسے آج پتا چلا تھا تو وہ تڑپ ہی تو اٹھی تھی۔

"نہیں فیصل! یہ ستاروں کی محبت اپنی جگہ، میں آپ سے جدا ہونے کا تصور تک نہیں کر سکتی۔ آپ کی محبت کے ہوتے مجھے اور محبتوں کی ضرورت نہیں ہے اور کوئی بھی مجھے آپ سے نہیں چھین سکتا۔ مجھے آپ بہت عزیز ہیں۔"

"پری! بس اپنے گھر کا اور میرا خیال رکھنا۔"

"میری اولین ترجیح میرا گھر ہی ہے۔" وہ فیصل کے بائیں بازو پہ سر رکھ کر لیٹ گئی تھی۔

"آپ نے راشد کو سنا، کتنی پیاری آواز تھی۔" یاد آنے پہ پروا ایک دم اٹھ بیٹھی۔

"نہیں تو صرف تمہیں دیکھ رہا تھا کہ میری بیوی آج کتنی خوش ہے اور انجوائے کر رہی ہے۔ ویسے کیا گا رہی تھی وہ؟" فیصل دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

میں تے میرا لو بیریا

ساتواں باج گیا اے طوفان

موسم ہو گیا اے بے ایمان

"پری! موسم تو واقعی بے ایمان ہے۔" وہ اس کے بالوں کو بکھراتے ہوئے شریر ہوا جا رہا تھا۔ لیکن وہ پرے سرک گئی۔

"جی نہیں۔ اتنے دنوں تک مجھ سے ناراض رہے، مجھے پریشان کیا۔"

"میں خود بھی تو پریشان رہا تھا!" وہ بڑا معصوم بنا ہوا تھا۔ پروا کو ہنسی آ گئی تو وہ بھی شیر ہو گیا۔

✿ ✿ ✿

پپا نے اسے یہ روح فرسا خبر سنائی تھی کہ مما کو برین

ٹیومر ہے اور وہ آخری اسٹیج پہ ہے۔ جس طرح وہ تڑپ تڑپ کر رو دی، سب کو پریشان کر دیا۔ نیلم نے فیصل سے کہا کہ پروا کو کچھ روز کے لیے میکے چھوڑ آؤ تاکہ اپنی ماں کے پاس رہ سکے۔ اس نے فوراً ایسا ہی کیا۔

ڈاکٹر نیئر بھی اسپیشلسٹ تھیں۔ ریاض احمد نے کہا تھا کہ ابھی ان کو میرے پاس انگلینڈ لے آؤ، یہاں علاج کی بہترین سہولیات ہیں۔ مگر اب اس کا فائدہ نہیں تھا کیونکہ آخری اسٹیج پہ بیماری حد سے بڑھ گئی تھی۔ پروا دن رات مما کے پاس تھی۔ انہیں اپنی بیماری کا علم ہو چکا تھا اور وہ بڑی بہادری سے اس کا مقابلہ بھی کر رہی تھیں۔ لیکن قدرت کی دی ہوئی مہلت ختم ہو چکی تھی۔ ایک صبح وہ بڑی خاموشی سے ابدی سفر پہ روانہ ہو گئیں۔

پروا کو ظاہر ہے ماں کی دائمی جدائی سے بہت بڑا شاک لگا تھا۔ اس موقع پہ ڈاکٹر نجم اور پروا کو تراب لغاری، نیلم، فیصل اور اس کی پیاری فیملی نے ہی سنبھالا۔ خاص طور پہ منور بیگم تو شروع میں پروا کے ساتھ اس کے میکے میں ہی رہیں۔ فیصل دن رات اس کی دلجوئی کرتا۔ اقرا کے چالیسویں کے بعد وہ اسے گھر لے آیا۔ اس کی بھرپور محبتوں نے اسے اس کڑوی حقیقت کو قبول کرنے میں مدد دی۔ اور وہ معمول کی زندگی کی طرف لوٹنے لگی۔

✿ ✿ ✿

لندن میں پاکستانیوں کی ایک انجمن نے بہت بڑے پیمانے پہ مشاعرے کا اہتمام کیا تھا۔ اس سلسلے میں پاکستان سے پروا اور کل سیٹ چند اور شعراء کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ مشاعرہ دو دن میں ہو رہا تھا۔ آنے جانے کے ٹکٹ اور رہائش کا انتظام اس انجمن کے ذمے تھا۔ پروا کا دعوت نامہ اور ٹکٹ بھی اس تک پہنچ چکا تھا۔ فیصل کا دل نہیں چاہ رہا تھا اسے خود سے اتنی دور بھیجے۔ پروا کی مقبولیت اور شہرت بڑھتی جا رہی تھی۔ اب تو وہ ایک مستند شاعرہ تسلیم کی جانے لگی تھی۔ یہ مقبولیت اور شہرت اس نے بہت کم عمری میں حاصل کر لی تھی۔

جوں جوں وہ مقبولیت کے زینے طے کر رہی تھی، توں توں فیصل کے خدشات بڑھتے جا رہے تھے۔

تراب لغاری اور نیلم بیگم نے پروا پہ کوئی پابندیاں عائد نہیں کی تھیں۔ ان کے لیے یہ بات فخر کا باعث تھی کہ ان کی بہو مقبول شاعرہ ہے۔ فیصل بھی تنگ ذہن کا مالک نہیں تھا۔ لیکن اب کچھ عرصے سے پروا کے معاملے میں وہ بہت حساس ہوتا جا رہا تھا۔

اور ادھر وہ پہلی بار ملک سے باہر کسی مشاعرے میں جا رہی تھی تو لازمی بات ہے بہت خوش تھی۔ لیکن فیصل بجھا بجھا سا تھا۔ صرف پروا کی خوشی کی خاطر وہ خاموش تھا۔

جب وہ پروا کو چھوڑنے ایئرپورٹ جا رہا تھا تو بہت چپ چپ تھا۔ پروا اپنی خوشی میں اس کی یاسیت کو محسوس ہی نہیں کر پائی تھی۔

"پروا! میں پھر کہتا ہوں کہ اپنے گھر کو اور مجھے یاد رکھنا۔" جب وہ اسے ڈراپ کر کے واپس آنے لگا تو کہا۔

"میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ پہلے نمبر پہ آپ اور میرا گھر ہی ہے۔" پروا کو تھوڑا غصہ آ گیا تھا۔

"جس دن تم نے یہ بات بھلا دی، وہ دن اچھا نہیں ہو گا۔" اس کے لہجے میں وارننگ سی تھی۔

"اوکے اوکے۔ اب اچھی اچھی باتیں کریں اور مجھے خدا حافظ کہیں۔"

"اللہ کی امان میں دیا۔ تمہیں جلدی واپس آنا ہے۔" فیصل اسے چھوڑ کر آفس میں آ گیا۔

✿ ✿ ✿

لائبہ رحمان بہت ذہین کارکن ثابت ہو رہی تھی۔ فیصل ہر کیس میں اسے ساتھ ساتھ رکھتا تھا۔ اسے لائبہ کی صلاحیتوں پہ اعتماد ہوتا جا رہا تھا۔ متین چوہدری والے کیس میں اس نے کافی اچھی کارکردگی دکھائی تھی۔ اس کے تجربے میں وہ اچھا اضافہ تھی۔

اپنی خوب صورتی اور ذہانت کی بدولت آفس میں وہ جلد ہی مقبول ہو گئی تھی۔

ورنہ جب وہ نئی نئی آئی تھی تو فیصل کال کرتا تھا کہ اس سے کہے پلیز! آپ ریسیپشن پہ واک کریں' ملاقات کریں' لیکن خدا لگا ہمارے فیور منٹ کا پیچھا چھوڑ دیں۔ اب وہی لائبہ رحمان مشتاق پولیس انسپکٹر بننا چاہتی تھی۔ فیصل کے مشاہدات اور تجربات اس کے بہت کام آ رہے تھے۔

فیصل کی توجہ سے لائبہ غلط فہمی کا شکار ہو رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ فیصل لاشعوری طور پر دھیرے دھیرے اس میں انٹرسٹ لینے لگا ہے۔ وہ تھی بھی ایسی کہ کوئی بھی مرد اس میں دلچسپی لے سکتا تھا۔

٭ ٭ ٭

جب سے پروا آئی تھی فیصل دن میں تین' چار بار کال کرتا۔ ایک دن پروا مشاعرے میں تھی' موبائل اس نے سائلنٹ پہ چھوڑا تھا۔ وہ کال کرتا رہا اور وہ ریسیو نہیں کر سکی۔ فارغ ہو کر موبائل دیکھا تو خود اسے کال بیک کی۔ لیکن وہ اتنے غصے میں تھا کہ اس کی کال ریسیو نہیں کی۔ تین' چار بار اس نے فون کیا پھر مایوس ہو کر فون رکھ دیا۔

رات سونے سے پہلے اس نے فیصل کو ننھی ایم سوری کا خوب صورت سا ایس ایم ایس کیا۔ اسے یقین تھا ایس ایم ایس ریسیو کرنے کے بعد اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ جائے گا۔

٭ ٭ ٭

پروا دبئی سے کیا لوٹی کہ مصروفیات کا چکر سا چل پڑا۔ اس کا سارا وقت اپنی تخلیقات کو نئے سرے سے سنوارنے اور پھر ستاروں کے سامنے پیش کرنے میں صرف ہو رہا تھا۔ اس دوران جمال صدیقی مسلسل رابطے کی کوشش میں رہا۔ پروا مشاعرے اٹینڈ کر رہی تھی۔ دو دن پہلے وہ کراچی سے لوٹی تھی تو آج لاہور جانا تھا۔ لاہور سے واپسی پہ سرگودھا کا پروگرام تھا۔ ان سب کے درمیان فیصل کی ذات بری طرح نظر انداز ہو رہی تھی۔

رات کو تنہائی کے جو چند خوش قسمت لمحے میسر آتے اس میں بھی پروا کے پاس اپنی ہی باتیں ہوتیں' وہ ہنس ہنس کر مشاعروں کے دوران پیش آنے والے واقعات اسے بتاتی۔

٭ ٭ ٭

پروا لاہور سے لوٹی تو گھر کی فضا میں غیر معمولی پن کا احساس اسے گیٹ سے قدم اندر رکھتے ہی ہو گیا۔ بے حد خاموشی طاری تھی۔ کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ حالانکہ شام کا وقت تھا اور اس وقت سب جمع ہوتے تھے۔

"سب لوگ کہاں ہیں؟" ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی ڈرامے میں مگن گھریلو ملازمہ سے اس نے پوچھا تو وہ ریموٹ چھوڑ کر ایک دم کھڑی ہو گئی۔

"سب اپنے اپنے کمروں میں ہیں۔" اسے بتاتے ہوئے وہ کچھ پریشان سی نظر آ رہی تھی۔

وہ سیدھی رابعہ کے روم کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے دروازے پہ دو' تین دفعہ دستک دی تب رابعہ نے دروازہ کھولا۔ وحشت زدہ چہرہ' سرخ آنکھیں' بکھرے بال' وہ اتنی ویران اور اجڑی اجڑی لگ رہی تھی کہ پروا پریشان ہو گئی۔

"رابعہ! کیا ہوا ہے؟" اس کے پوچھنے کی دیر تھی رابعہ کی آنکھیں اور سرخ ہو پڑیں۔

"اندر آؤ۔" اس نے پروا کو اندر کر کے دروازہ لاک کر لیا۔

"مجھے بتاؤ تو سہی ہوا کیا ہے' سب لوگ کہاں ہیں؟"

"ادھر ہی ہیں اور کہاں جانا ہے؟"

"لیکن تم نے اپنی کیا حالت بنائی ہوئی ہے؟"

اس نے روتی ہوئی رابعہ کا سر اپنے کندھے سے لگا لیا۔ ابھی ہفتہ بھر پہلے ہی ڈاکٹر نے چیک اپ کے بعد رابعہ اور حنان کو خوش خبری سنائی تھی کہ آپ والدین بننے والے ہیں۔ ظاہری بات ہے گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔

پروا ان دنوں اپنی مصروفیت میں الجھی ہوئی تھی۔

ایف ٹی ایف ایم ریڈیو اسٹیشن کی طرف سے اسے میزبانی کی آفر ملی تھی۔ لیکن یہ پروگرام رات بارہ بجے آن ایئر ہوتا تھا۔ پروگرام کا فارمیٹ ہلکا پھلکا اور ادبی قسم کا تھا۔ اس کے مزاج کے عین مطابق۔ لیکن ایک خرابی تھی کہ اس کا ٹائم رات بارہ بجے کا تھا اور فیصل نے یہ پروگرام کرنے کی اجازت اسے کبھی نہیں دینی تھی۔ اس نے تجرباتی طور پر یہ ہی پروگرام کر کے شو ٹائم میں کیا تو بہت پسند کیا گیا۔ وہ دو ریڈیو اسٹیشن چلی جاتی۔ بات کسی نتیجے پہ نہیں پہنچ پا رہی تھی' کیونکہ پروگرام کا ٹائم اس کے لیے سوٹ ایبل نہیں تھا' پھر بھی اسے امید تھی کہ وہ ہر صورت فیصل کو قائل کر لے گی۔

"میں کیا بتاؤں' ماموں' ممانی' حنان' در' شہوار' تبھی سب کتنا بدل گئے ہیں۔ پہلے یہی لوگ مجھ سے بہت پیار جتاتے تھے۔ لیکن اب انہیں مجھ سے بہت سی شکایتیں پیدا ہو چکی ہیں۔ ڈاکٹر نے کہا بھی تھا کہ ابھی میں ماں بننے کے قابل نہیں ہوں۔ میری صحت اس کی اجازت نہیں دیتی' میں نے اس سلسلے میں حنان سے بات کی کہ میں اباڑشن کروا لیتی ہوں' کیونکہ ڈاکٹر نے صاف بتایا ہے کہ ماں بننا ابھی میرے لیے رسک ہے۔ اس بات پہ اس نے وہ شور مچایا کہ نہ پوچھو' پورے گھر کو جمع کر لیا۔ سب نے اتنی لعن طعن کی مجھے کہ نہ پوچھو۔ جیسے سارا قصور میرا ہے۔ مجھے تو نہیں لگتا کہ ان سب کو میری زندگی یا صحت سے لگاؤ ہے۔ تم بھی تو ہو' فیصل نے بھی تمہیں فورس کیا' یا تنگ کیا' تم مزے سے شہرت کے مزے لوٹ رہی ہو' آج یہاں' کل وہاں' ایک میں ہوں کہ جیسے جاہل عورتوں کی طرح بچے پیدا کرنے پہ لگا دیا ہے۔"

پروا نے جانے کیوں اس سے نظر چرائی تھی۔ فیصل کو بھی بچے بہت پسند تھے اور وہ جب موڈ میں ہوتا تو اکثر کہتا پری! صرف مجھے دو بچے ہونے چاہئیں' اس کے بعد اور تقاضا نہیں کروں گا۔ جواباً وہ جھنجلا جاتی۔ تو اس کی ضد کے آگے مجبور ہو کر خاموش ہو گیا تھا۔

لیکن رابعہ کو چیک اپ کے بعد جب ڈاکٹر نے خوش خبری سنائی تو وہ بہت خوش ہوا تھا۔

"مجھے بتاؤ نا میرا کیا قصور ہے؟" رابعہ کی آنکھیں بھیگی بھیگی تھیں۔ پروا خاموش ہو کر اسے تکنے لگی۔ اس سوال کا جواب تو اس کے پاس بھی نہیں تھا۔ اسے تسلی دلاسے دے کر وہ نیلم آنٹی کی طرف آ گئی۔

"السلام علیکم' کیسی ہیں آپ اور آج گھر میں اتنی خاموشی کیوں ہے؟" وہ ان کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ جواب میں انہوں نے سر کو دھیرے سے ہلایا۔ ان کے لب ساکت اور آنکھیں اجنبیت کا تاثر دے رہی تھیں۔

"تم گھر میں ہو تو تمہیں پتا چلے نا! لیکن تمہیں تو شہرت زیادہ عزیز ہے۔"

آج پہلی بار انہوں نے ایسی باتیں کی تھیں' سو پروا کو حیران اور پریشان ہونا ہی تھا۔

"آنٹی! کیا ہوا ہے' کچھ بتائیں تو سہی؟" پروا نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ ان کے گھٹنوں پہ رکھ دیے۔

"پروا! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے' جیسے میرے پُرسکون گھر کو کسی کی نظر لگ گئی ہے۔" نیلم بیگم کی آنکھوں میں نمی چمکنے لگی تھی۔ پروا کا دل تڑپ سا اٹھا۔

"آنٹی! گھر میں کوئی بات ہو گئی ہے' میں اپنی غلطی مانتی ہوں کہ پچھلے پورے ہفتے سے بہت مصروف رہی۔ اس لیے گھر کے معاملات پہ اس طرح توجہ نہیں دے پائی۔ مگر مجھے بتائیں تو سہی' ہوا کیا ہے؟"

"رابعہ کہتی ہے' مجھے حنان کے بچے کی ماں بننے سے نفرت ہے۔ پورے ہفتے سے اس نے ہمیں سولی پہ لٹکایا ہوا ہے۔ جب سے اس کی رپورٹ پازیٹو آئی ہے تب سے وہ ضد پہ اڑی ہوئی ہے کہ اس نے اباڑشن کروانا ہے' وہ کسی صورت بھی حنان کی اولاد پیدا نہیں کرے گی۔ پہلے تو یہ جھگڑا صرف ان کے بیڈ روم تک تھا۔ آج بیڈ روم سے باہر نکل کر پورے گھر اور سارا ابھی تک بھی پہنچ گیا ہے اور آج تو رابعہ نے حد کر دی۔ خوب زور' زور سے چیخی اور چلائی۔ فیصل

اپنے کمرے میں سو رہا تھا۔ رات کو کافی لیٹ آیا تھا۔ اس جھگڑے سے اس کی آنکھ بھی کھل گئی تو صورت حال جاننے کے لیے نیچے آیا۔ راحیلہ اس وقت زور زور سے چلا رہی تھی۔ اس پہ وحشت سوار تھی۔ اس نے راحیلہ کو منع کیا جواباً راحیلہ نے اس کے ساتھ بدتمیزی کی انتہا کر دی۔ وہ وہ باتیں کہیں جو میں بیان نہیں کر سکتی۔ تراب خاموشی سے سارا تماشا دیکھتے رہے اور حنان وہ تو سدا کا بزدل ہے۔ راحیلہ کے سامنے وہ آج تک اونچی آواز میں بول نہیں سکا ہے۔ رجب بھائی اور سارا اسے اپنے ساتھ لے گئے اور فیصل وہ اسی وقت جس حال میں تھا۔ گاڑی لے کر نکل گیا۔ شام ہو گئی ہے۔ اس کا کچھ پتا نہیں ہے۔ سیل فون پہ بار بار کال کی ہے مگر اس نے جان کر نمبر آف کر رکھا ہے۔ تراب وہ تین بار گاڑی لے کر نکلے ہیں اس کا پتا کرنے مگر ابھی تک کچھ خبر نہیں ہے۔ میرا بچہ کس حال میں ہے۔ پروا تمہاری گرہستی خطرے میں ہے۔ راحیلہ نے اس کی غیرت کو للکارا ہے۔ مجھے اپنے بیٹے کا پتا ہے۔ میں نے اسے جنم دیا ہے۔ مجھے پتا ہے وہ اس وقت کیا سوچ رہا ہو گا۔"

نیلم کی کوئی بات بھی پروا کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا کہ ان کا دماغ صدمے سے ماؤف ہو گیا ہے۔

"آنٹی! کیا ہوا ہے۔ میں اور برداشت نہیں کر سکتی۔ میرا دماغ پھٹ جائے گا۔ پلیز آنٹی!" پروا پریشانی کی انتہا پر تھی۔ جب فیصل نے دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا۔ وہ غصے میں بھرا اس کی طرف آیا۔

"تمہیں جو کچھ لینا ہے اٹھاؤ اور نکل جاؤ میرے گھر سے فوراً۔ ابھی اسی وقت۔" اس نے پروا کا بازو پکڑ کر زور سے اٹھایا۔ جواباً وہ اسے یوں دیکھنے لگی جیسے اس کی سمجھ میں کچھ نہ آرہا ہو۔

"نکل جاؤ میرے گھر سے۔" اب کی بار اس نے پروا کا ہاتھ پکڑ کر بیرونی دروازے کی طرف دھکا دیا تو نیلم نے فیصل کے ہاتھ پکڑ لیے۔

"نہ کرو یوں میرے بچے لعنت کرو۔ اپنا گھر مت تباہ کرو۔" پروا پہلے ہی پریشان تھی اس افتاد سے اور بھی گھبرا گئی۔ حنان، زرشہوار، تراب، غفاری، سارا سب ہی آگئے تھے اور فیصل کو باز رکھنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ لیکن وہ غصے میں بپھرا ہوا تھا۔

"میں اسے ابھی اور اسی وقت طلاق دوں گا۔"

تراب نے بڑھ کر اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا۔

"پروا بیٹا! اس وقت یہاں سے چلی جاؤ۔" وہ غصے میں ہے۔ میں نہیں چاہتی کچھ غلط ہو جائے۔ اس وقت یہاں سے چلی جاؤ۔" نیلم نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ اس سے زیادہ دیکھنا پروا کے بس کی بات نہیں تھی اور آنسوؤں کی دھند میں اسے کچھ نظر بھی تو نہیں آرہا تھا۔

اور اسے تو ابھی تک یہ بھی پتا نہیں چلا تھا کہ اسے سزا کس بات کی ملی ہے۔

✿ ✿ ✿

پروا لڑکھڑاتے ہوئے بے جان قدموں سے وہاں سے نکلی تھی اس نے وہاں سے کچھ بھی نہیں لیا۔ اپنا سیل فون بھی وہیں چھوڑ آئی۔ گیٹ سے باہر نکلتے رکشے والے کو اس نے ہاتھ کے اشارے سے روکا۔

ڈاکٹر انجم گھر پہ ہی تھے اس نے ڈور بیل پہ ہاتھ رکھ دیا اور گویا ہٹانا ہی بھول گئی۔ اوپر کے کاموں کے لیے ڈاکٹر انجم نے اقرا کی وفات کے بعد نیا لڑکا رکھا تھا اسی نے گیٹ کھولا۔

ڈاکٹر انجم اسٹڈی روم میں تھے۔ پروا بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں گئی تھی۔ پھر تو گویا اس کی آنکھوں سے سمندر ابل پڑے۔ جس طرح وہ تڑپ تڑپ کر سسک سسک کر رو رہی تھی اگر اقرا زندہ ہوتیں تو جانے ان کا کیا حال ہوتا۔ اکلوتی لاڈلی اولاد کو یوں روتا دیکھ کر۔ ڈاکٹر انجم کی آنکھیں بھی برس رہی تھیں۔

"میں پوچھوں گا ایک بار فیصل سے کہ میری بچی کا قصور کیا ہے۔" انہیں بہتری کی ایک ہی صورت نظر آرہی تھی۔

"نہیں پاپا! آپ نہیں پوچھیں گے میں آپ کو لیٹ ڈاؤن ہوتا نہیں دیکھ سکتی کبھی بھی۔ اور نہ میں چاہتی ہوں کہ آپ ان کے سامنے روئیں اور گڑگڑائیں۔ میں اس شخص کی محبت اپنے دل سے نکال سکتی ہوں مگر جو آپ کہہ رہے ہیں وہ میں کبھی نہیں مانوں گی کبھی نہیں۔ آپ کو میرا اچھی طرح پتا ہے۔"

پروا نے الٹے ہاتھ سے بڑی بے دردی سے آنکھیں رگڑیں۔ انجم کو کبھی کبھی اس کی ضد سے خوف آتا تھا۔

"اور ہاں اگر مجھے یہ پتا چل گیا کہ میری خاطر آپ "تراب منزل" گئے یا ان سے کوئی بات کی تو پھر اس کے بعد آپ اپنی بیٹی کو ہمیشہ کے لیے کھو دیں گے۔" اس وقت وہ وہی پرانی پروا لگ رہی تھی ضد جس کی پہچان تھی۔

"ٹھیک ہے بیٹا! تم آرام کرو۔ تم جیسا چاہو گی وہی ہو گا۔" انہوں نے اسے بچوں کی طرح بہلا پھسلا کر دودھ پلایا۔ دودھ میں خواب آور دوا شامل کی تھی انہوں نے تاکہ وہ سو کر تازہ دم ہو جائے اور کچھ بہتر سوچنے کے قابل ہو سکے۔

اس کے سونے کے بعد بھی وہ کافی دیر اس کے پاس بیٹھے رہے۔ نیند ان کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اقرا کی وفات کے بعد حقیقی معنوں میں آج انہیں زندگی کی سختیوں اور مشکلات کا اندازہ ہوا تھا۔

✿ ✿ ✿

پروا نے پاکستانی سفارت خانے میں جاب کے لیے اپلائی کر رکھا تھا۔ یہاں ذہانت کے ساتھ اس کی شہرت بھی کام آئی اور اسے جاب مل گئی۔ انجم انتظار میں تھے کہ فیصل کے گھر سے کوئی نہ کوئی ضرور آئے گا لیکن دو ہفتے گزرنے کے باوجود ادھر سے کوئی نہیں آیا تب انہوں نے سارے خطرات پس پشت ڈالتے ہوئے "تراب منزل" کا رستہ پکڑا تھا۔

نیلم اور تراب شرمندہ تھے۔ انجم انہیں ملعون کر کے مزید شرمندہ نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا بڑی خاموشی سے جس طرح گئے تھے ویسے ہی واپس آگئے تھے۔ اس بات کی ہوا بھی انہوں نے پروا کو نہیں لگنے دی تھی۔

پروا کو ایمبیسی پبلک ریلیشنز کی حیثیت سے اٹلی بھیجا جا رہا تھا۔ انجم نے اسے روکنے کی بہت کوشش کی لیکن انہیں پتا تھا کہ وہ نہیں مانے گی اور ایسا ہی ہوا تھا وہ چلی گئی تھی۔

اس کے جانے کے بعد ڈاکٹر انجم بھی بڑے بھائی کے پاس انگلینڈ چلے گئے۔ پہلے وہ وزٹ ویزے پہ صرف چھ ماہ کے لیے گئے تھے پھر واپس آ کر مزید پانچ سال کا ویزا لگوا کر دوبارہ چلے گئے۔ پاکستان میں ان کی جو پراپرٹی تھی سوائے مکان کے انہوں نے سب فروخت کر دی۔ مکان انہوں نے جذباتی وابستگی کی وجہ سے فروخت نہیں کیا تھا۔

وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ پروا سال بعد ایک ہفتے کے لیے ان کے پاس آئی تو وہ پھر سے ہشاش بشاش ہو گئے۔ ریاض احمد کے گھر بھی ان کا دل لگ گیا تھا اور انہوں نے بڑھ چڑھ کر خدمت خلق کے کاموں میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ پھر بھی تنہائی میسر آتے ہی پروا کا دکھ انہیں کھائے جاتا۔ پروا نے طلاق مانگی اور نہ فیصل نے طلاق دی تھی ورنہ وہ کسی اور جگہ اس کی شادی کر دیتے۔ اس موضوع پہ وہ پروا سے بات کرتے ہوئے ڈرتے تھے کیونکہ انہیں اس کی عادت کا پتا تھا۔ وہ پہلے والی پروا رہی ہی نہیں تھی۔ اس کے لب تو گویا ہنسنا بھول گئے تھے۔ وقت سے پہلے ہی اس نے خود پہ سنجیدگی طاری کر لی تھی۔ میک اپ کی اشیاء تو وہ پہلے بھی اتنا استعمال نہیں کرتی تھی لیکن اب تو اس نے آنکھوں میں کاجل لگانا تک چھوڑ دیا تھا۔

اس کی شہرت اب بیرون ملک میں بھی پہنچ چکی تھی۔ اسے پاکستان چھوڑے تین سال گزر چکے تھے۔ یہاں اٹلی میں بھی اردو داں طبقہ موجود تھا۔ آئے روز مشاعرے ہوتے۔ سال چھ ماہ میں جب چھٹیاں ملتیں تب وہ اٹلی سے باہر مشاعروں میں شرکت کرتی۔ سفارت خانے والوں نے اب اسے دبئی بھیج دیا تھا۔ اٹلی کے مقابلے میں دبئی زیادہ چہل پہل سے بھرا تھا۔

اس کا تیسرا مجموعہ کلام "بچھڑنے سے ذرا پہلے" کافی عرصے کے بعد منظر عام پہ آیا تھا اور اس کا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ لیا گیا تھا۔ اب اس کا فن اور بھی نکھر گیا تھا۔ اس مجموعہ کلام میں جتنی بھی شاعری تھی، اکثر میں بچھڑنے کا کرب نمایاں تھا اور اسی کرب نے شاید اس کے فن کو مزید پختگی عطا کر دی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ اپنے آفس سے گھر کے لیے کافی لیٹ روانہ ہوا۔ صوبائی پولیس افسروں کے ساتھ میٹنگ تھی۔ وہ آج کل پشاور میں اپنی خدمات سرانجام دے رہا تھا اور سرکاری رہائش گاہ میں رہ رہا تھا۔

کھانے کو ذرا بھی دل نہیں تھا۔ اس نے ملازم کو کھانا لانے سے منع کر دیا اور چائے بنانے کو کہہ کر یونیفارم تبدیل کر کے اس نے ٹی وی آن کر لیا۔ یونہی چینل سرچنگ کرتے ہوئے ایک چینل پہ اس کی انگلیاں ساکت ہو گئیں۔

میں بھی تنہا وہ بھی تنہا
کیسے کٹے گا یہ جیون تنہا
یادیں زاد راہ کر لو
کیونکر رہو گے تنہا تنہا

سو فیصد وہ پروا ہی تھی۔ اس کی آنکھیں لاکھوں انسانوں کے بیچ بھی اس کی پہچان کر سکتی تھیں۔ اپنے مخصوص دلکش لہجے میں وہ اپنا کلام سنا رہی تھی۔ فیصل کی نگاہ ٹی وی اسکرین سے ہٹ ہی نہیں رہی تھی۔ ملازم نے چائے اس کے سامنے رکھ دی تھی۔ وہ یونہی رکھی رہی۔

پروا اپنا کلام پڑھ کر ٹی وی اسکرین سے غائب ہو چکی تھی مگر وہ خالی الذہن سا اب بھی اسے گھورے جا رہا تھا۔

اسے پتا تھا آج کی رات اس پہ بہت بھاری گزرے گی۔ نیند کہاں آتی تھی اب سکون کی نیندیں تو وہ بیچ چکا تھا۔ ان تین سالوں میں وہ سکون کی بھرپور نیند کو ترس گیا تھا۔ نیند آتی بھی تو ٹوٹ ٹوٹ کر عذاب میں

لگی۔ وہ دو کو چھوڑتی۔ اب تو اس کے ہاتھ بھی کانپنے لگے تھے گر "سر! آپ کی آنکھیں نیند کی کمی سے سرخ رہتی ہیں۔ آپ کچھ دن ریسٹ کر لیں۔" مگر وہ ایسے مشوروں کو ٹال دیتا۔ ماہ دو ماہ بعد اسلام آباد جاتا تو اس کی کوشش ہوتی کہ رات وہاں پہ نہ رکے۔ لیکن ماں کی ممتا اس کے پاؤں کی زنجیر بن جاتی۔ وہ گیسٹ روم میں سو جاتا لیکن اپنے بیڈ روم میں نہ جاتا۔ نیلم کڑھ کر رہ جاتیں لیکن اب انہوں نے فیصل سے کچھ بھی کہنا چھوڑ دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

بک شاپ کے سامنے اس نے بے اختیار اپنی گاڑی روکی تھی۔ وہ صدر میں ایک کام سے آیا تھا۔ کام ختم کرنے کے بعد کسی انجانی سی قوت کے زیر اثر وہ کتابوں کی اس دکان کی طرف آیا تھا۔

پروا کا نیا مجموعہ کلام لے کر وہ بہت تیز رفتاری سے وہاں سے نکلا تھا۔

واپس پہنچ کر اس نے بڑی بے تابی سے شاپر سے کتاب نکالی۔

"بچھڑنے سے ذرا پہلے" اس نے عنوان پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے جانے کس یاد کو آواز دی تھی۔ کتاب کا ٹائٹل بہت دھیمے اداسی کے رنگوں میں لپٹا ہوا عنوان کی بھرپور عکاسی کر رہا تھا۔ اس نے کتاب کھولی۔ حروف اس کی نگاہوں میں پھسل رہے تھے۔

کل رات
میری آنکھوں کو
کسی ہمدرد لمس کی
ضرورت محسوس ہو رہی تھی
تو
میرا تکیہ ہی
میرے آنسو پونچھ رہا تھا

اس سے مزید پڑھا نہیں گیا
اس نے کتاب بند کر کے سینے پہ رکھ لی تھی۔
اس کیفیت میں کتنی دیر معلق رہنے کے بعد اس

نے دوبارہ کتاب کھولنے کی ہمت کی تھی۔

ہاتھ اٹھائے جو دعا کے لیے
تو
ایسے لگا
جیسے سارا درد اور آنسو
میری ہتھیلیوں میں سمٹ آئے ہیں

اس سے اس نے بے اختیار اپنی آنکھوں کو بھیگا محسوس کیا تھا۔

اس نے لڑکھڑاتے قدموں سے اٹھ کر کتاب بک شیلف میں رکھی اور باہر ٹیرس پہ آ گیا۔

ان گزرے ماہ و سال میں اس نے پروا کی یاد سے دامن چھڑانے کی کتنی کوشش کی تھی لیکن وہ آج بھی ناکام تھا۔ کہیں نہ کہیں ٹی وی، ریڈیو یا اخبار سے اسے خبر مل ہی جاتی تھی۔ شروع میں سب نے کتنا سمجھایا تھا۔ نیلم نے واسطے دیے، منتیں کیں مگر اس کی انا کا بت ٹوٹا اور نہ وقت تھما، آگے سرک آیا تھا۔

لائبہ رحمان نے اسے پگھلانے کی مہم جاری رکھی تھی۔ اس نے بڑی جرات سے اپنے جذبات کا اظہار کر دیا تھا۔ مما نے بھی کہا کہ شادی تو تمہیں کرنی ہی ہے تو لائبہ سے ہی کر لو۔ تم دونوں ایک ہی شعبہ زندگی سے تعلق رکھتے ہو، اچھی گزر جائے گی۔

لائبہ کے گھر میں سب کو پتا تھا کہ وہ فیصل کو پسند کرتی ہے۔ اپنی زندگی کے بارے میں اس نے فیصلہ کر لیا مگر آج تک ناآسودہ خوابوں میں پرانے درد گاہے بگاہے جاگ اٹھتے تھے۔

☼ ☼ ☼

"پاپا آ گئے پاپا آ گئے۔" ایمان شور مچاتی اس کی ٹانگوں سے لپٹی تھی۔ اس نے ایمان کو اٹھا لیا۔

"پاپا کی جان کیسی ہو؟" فیصل نے فرط محبت سے اس کا گال چوما۔ پھر اسے اٹھائے اٹھائے وہ اندر داخل ہوا۔ سب ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے تھے۔

"ایمان تمہیں بہت یاد کرتی ہے کم سے کم بچی کا تو خیال کر لیا کرو۔" مما نے شکایتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"مما! آ تو گیا ہوں، اب میرے پوسٹنگ آرڈرز آ گئے ہیں۔ میں آپ کے پاس ہی ہوں۔" خوش خبری سنا کر اس نے انہیں حیران اور پھر خوش کر دیا۔ رابعہ اس کی آمد پر وہاں سے اٹھ کر چلی گئی تھی۔

فیصل سے وہ شرمندہ تھی۔ نو سال کے دوران اس نے خود کو اس قابل نہیں سمجھا تھا کہ فیصل کا سامنا اٹھے سر کے ساتھ کر سکے۔ حالانکہ اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی رابعہ کو معاف کر دیا تھا۔ لیکن وہ خود کو معاف نہیں کر پائی تھی۔

ایمان اس کی گود میں بیٹھی شکایتیں کر رہی تھی اور وہ مسلسل مسکرا رہا تھا۔ ایمان کی باتیں دل موہ لینے والی اور معصوم تھیں۔ بالکل اس کی طرح۔ اس کی ساری تھکن ہوا میں کہیں اڑنچھو ہو گئی تھی۔ رات وہ کہانی سنتے سنتے اس کے پاس ہی سو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

فیصل ایمان کے سوتے ہوئے معصوم چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی دوسری سائیڈ پہ لائبہ محو خواب تھی۔

ایمان نے کہانی سننے کی ضد کی تھی۔ اس کی معصوم باتیں فیصل کے دل میں اتر کر ہلچل مچا رہی تھیں۔ آج بھی کہانی سننے کے دوران اس نے فیصل سے سوال کر دیا تھا کہ پاپا شہزادے نے پھر شہزادی سے صلح کی کہ نہیں۔ فیصل نے اسے بہلانے کے لیے کہہ دیا کہ وہ ڈھونڈتا رہا مگر اسے شہزادی ملی ہی نہیں۔

"پاپا آپ بھی شہزادی کو ڈھونڈ رہے ہیں نا؟" اس نے بڑی بے ساختگی سے سوال کر دیا تھا۔ فیصل اسے دیکھ کر رہ گیا۔ اب وہ سو چکی تھی لیکن اس کا معصوم سوال فیصل انصاری کو ماضی میں لے گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

فیصل گہری نیند میں تھا جب شور سے اس کی آنکھ کھلی۔ نیچے سے چیخنے چلانے کی آوازوں کے ساتھ حسان اور مما کی ملی جلی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ وہ

سو تحقیق جاننے کے لیے چند گھنٹوں میں ہی جلدی سے پہنچ گیا۔

رابعہ مسلسل چیخ رہی تھی اور ممّا چپ کروا رہی تھیں۔

"رابعہ! کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟ کیوں اس طرح شور کر رہی ہو؟" فیصل اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ لہجہ بہت نرم تھا۔

"میری مرضی میں جو بھی کروں۔" وہ بدتمیزی سے بولی مگر وہ اس کا کڑوا لہجہ اور بدتمیزی برداشت کر گیا۔

"پھر کیوں جاہلوں کی طرح شور کر رہی ہو۔ تمہیں جو بھی شکایت ہے آرام سے بتاؤ۔" وہ اب بھی نرمی اور برداشت سے کام لے رہا تھا۔

"ہاں ہاں میں جاہلوں کی طرح شور کرتی ہوں سب کو مجھ سے شکایتیں ہیں اور سب کی چہیتی جو ہے وہ جو بھی کرے کوئی نہیں بولتا۔ مشاعروں کے نام پہ سارا سارا دن گھر سے باہر رہتی ہے۔ کوئی نہیں بولتا۔ کبھی ریڈیو کبھی ٹی وی آج کراچی کل لاہور، سو ڈرامہ کرتی پھر رہی ہے نا! آپ کو نہیں پتا ڈھول جو تھی سب کی نگاہوں میں ہے۔ عقل صدیقی سمیت جانے کتنے لوگوں کو بے وقوف بنا رہی ہے اور آپ اپنی بیوی کو نہیں سنبھال سکتے۔" رابعہ کے لفظ تھے کہ آگ۔ فیصل لب بھینچے سنتا رہا۔

"آج صرف حقیقت میری زبان تک آئی ہے نا! کل آپ کی شہرت یافتہ بیوی کے کارنامے اخباروں رسالوں میں بھی آئیں گے۔ آپ کس کس کو منع کریں گے؟ اچھے گھر کی خبر لیں میری فکر نہ کریں۔"

سب ہکا بکا رابعہ کو دیکھ رہے تھے کسی میں بھی اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ آگے بڑھ کر اسے خاموش کرواتا وہ تھک ہار کر خود ہی چپ ہو گئی۔

فیصل جس طرح اٹھ کر پیچھے آیا تھا اسی طرح گاڑی کی چابی لے کر گاڑی اسٹارٹ کر کے جانے کہاں چلا گیا۔ انہوں نے رابعہ کی کسی بھی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔

پروا سے شادی کے پہلے دن ہی اس نے ایک بات بہت زور دے کر کہی تھی کہ بیوی میں وہ دو چیزوں کے بارے میں کمپرومائز نہیں کر سکتا ایک اپنی بیوی کے کریکٹر اور دوسری اپنی عزت نفس اور آج تمہیں ان دو چیزوں کا خیال رکھنا ہے اور مجھے تم پر پورا یقین ہے کہ تم تمام عمر میرا یقین اور مان نہیں توڑو گی نا۔" اس نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ سے اسے گویا یقین دلایا تھا۔

رابعہ کی باتوں نے اسے آگ لگتے آتش فشاں کے دہانے پہ لا کھڑا کیا تھا۔ وہ ذہن سے کچھ بھی سوچنے سمجھنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ رہ رہ کر رابعہ کے الفاظ ذہن و دل پہ کوڑے برساتے۔ اس کے منہ سے طلاق کے الفاظ نکلنے والے تھے۔ اس وقت تراب غفاری اسے وہاں سے لے گئے اور پروا بھی منظر سے ہٹ گئی۔

ڈاکٹر انجم خود بیٹی کا باپ ہونے کے ناتے مجبور ہو کر ان کے پاس آ گئے۔

تراب اور نیلم دونوں ان سے شرمندہ تھے۔ وہ فیصل کو سمجھا کے تھک گئے تھے۔ نیلم، سارہ اور تراب دوبارہ پروا کو واپس لانے کے لیے تیار ہوئے تو اس نے کہا کہ اگر وہ اس گھر میں آئی تو میں گھر سے چلا جاؤں گا اور اس کا غصہ اترنے کے انتظار میں چار ماہ گزر گئے۔ نیلم سے اور رہا نہیں جا رہا تھا۔ تراب سے مشورہ کر کے وہ شہوار کے ساتھ پروا سے ملنے آئیں تو گیٹ پہ لگا تالا ان کا منہ چڑا رہا تھا۔

وہ رباب کے گھر چلی گئیں۔ رباب کے گھر سے ملنے والے جواب نے ان کی ساری امیدوں کو خاک میں ملا ڈالا تھا۔

پروا نے سفارت خانے میں جاب کر لی تھی اور اس وقت انگلینڈ میں تھی جبکہ ڈاکٹر انجم اپنے بڑے بھائی کے پاس انگلینڈ شفٹ ہو گئے تھے۔

پروا انہیں کچھ بتا کر نہیں گئی تھی۔ سو ان کے دل میں ایک پھانس سی گڑ گئی تھی۔ کاش وہ بتا کر جاتی تو وہ اسے روک لیتیں کیونکہ فیصل کی انا پسندی کا انہیں پتا تھا وہ مر کر بھی اپنی غلطی تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔

ان کے گھر کا تو شیرازہ ہی بکھر گیا تھا۔

حنان غصے میں رابعہ کو میکے چھوڑ آیا تھا حالانکہ وہ فیصل کے مقابلے میں بہت نرم خو اور مرنجان مرنج قسم کا شوہر تھا۔ لیکن رابعہ کی بہتان طرازی نے اس کی سلجھی ہوئی سوچ کو بگاڑ ڈالا تھا۔ حنان تو ہمیشہ کے لیے رابعہ جیسی زبان دراز اور گستاخ بیوی سے چھٹکارا پانا چاہتا تھا اس موقع پہ تراب اور نیلم اس کے ارادے کے آگے مضبوط دیوار بن گئے تھے۔ رابعہ پریگننٹ تھی وہ کسی بھی حال میں یہ نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔

رابعہ کی ڈلیوری قریب تھی۔ اب اس کے سارے کس بل نکل چکے تھے۔ وہ حنان کے بچے کی ماں بننے سے سخت نفرت کرتی تھی۔ لیکن ننھے بچے نے جب اس کی گود میں آ کر اپنی حیران اور معصوم آنکھوں سے اسے دیکھا تو ممتا کے سوتے پھوٹ پڑے۔ اب فیصل کے مقابلے میں حنان اسے دنیا کا بہترین شوہر نظر آیا تھا۔ فیصل نے تو پروا کو صفائی کا موقع دیے بغیر سزا دے ڈالی تھی اور حنان نے اس کی کتنی ہی تیزیوں اور غلطیوں کو نظر انداز کیا تھا۔ کس کس موقع پہ گھر والوں کے سامنے اس کا بھرم نہیں رکھا تھا۔

حنان بیٹے کو دیکھ کر موم ہو گیا اس نے دو ماہ کے معصوم گڈے کو فیصل کے ہاتھوں میں تھما دیا۔

"بھائی جان! اس کے صدقے رابعہ کو معاف کر دیں وہ بہت شرمندہ ہے۔ ادھر اُدھر کی سنی سنائی پہ رابعہ کو شک ہو گیا تھا۔ پھر اس کا حسد اسے لے ڈوبا لیکن اب وہ تہہ دل سے شرمندہ ہے۔" حنان وضاحتیں دے رہا تھا۔ رابعہ بھی جھکی نگاہوں سمیت اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ اب لائبہ اس کی زندگی میں آ چکی تھی۔

وہ اپنے پچھتاووں سمیت اکیلا تھا۔

پچھلی طرف بخت بے حس ہر جذبے سے عاری۔

نو سال گزر چکے تھے۔ کتنی تبدیلیاں آ گئی تھیں۔ شہوار اور رابعہ دو دو بچوں کی مائیں بن گئی تھیں۔ سلوی کے بھی دو بیٹے تھے۔ ورنی کی شادی ہو گئی تھی وہ بھی صاحب اولاد تھی۔

☆ ☆ ☆

تیسرے مجموعۂ کلام کے بعد پروا کی ادبی سرگرمیاں رفتہ رفتہ ماند پڑ رہی تھیں۔ اب اس نے ادبی تقریبات میں آنا جانا کم کر دیا تھا۔ تخلیق کا عمل کب کا سست پڑ چکا تھا۔ اس کا قلم گویا منجمد ہو گیا تھا۔

مزید شہرت کی خواہش اس کے اندر دم توڑ چکی تھی۔ دعوت نامے اسے اب بھی ملتے۔ لوگ تقریبات منعقد کر کے اس کی شہرت کو کیش کروانا چاہتے لیکن وہ پہلے والی پروا نہیں تھی۔

ڈاکٹر انجم انگلینڈ میں ہی تھے۔ وہ ان کے پاس آتی جاتی رہتی۔ وہ اب تھکنے لگے تھے۔ اب ان کی ایک ہی خواہش تھی کہ مرنے سے پہلے ایک بار اپنے وطن کو دیکھ لیں۔

ان در و دیوار کو چھو آئیں جہاں اقراء کی یادیں سانس لے رہی تھیں۔ جہاں ان کے بہت سے خوب صورت شب و روز بکھرے پڑے تھے۔ لیکن پاکستان واپسی کے نام پہ پروا کو غصہ آ جاتا۔ اس نے کہا تھا "پاپا! آپ بے شک پاکستان چلے جائیں میں نہیں جاؤں گی۔"

انجم اکیلے جانا نہیں چاہتے تھے اور وہ تیار نہیں تھی۔

وہ اپنی ضد پہ پوری طرح اڑی ہوئی تھی۔ جب اس کے پوسٹنگ آرڈر آ گئے۔ سفارت خانے والوں نے اسے پاکستان تعینات کر دیا تھا۔ وہ واپس جانا نہیں چاہتی تھی۔ مگر حکام بالا نے اس کی درخواست رد کر دی تھی۔

ڈاکٹر انجم بہت خوش تھے۔ پروا کو بمشکل انہوں نے راضی کیا تھا۔ ورنہ اس نے ریزائن دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ریاض احمد اور ان کی بہو نے بڑے خوب صورت طریقے سے دلائل دے کر اسے اس فیصلے سے باز رکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

فیصل واپس اسلام آباد آ گیا تھا لیکن اوپری منزل پہ واقع اپنے بیڈ روم کو اس نے کھلوانے سے منع کر دیا

تھا۔ نچلی منزل کے ماسٹر بیڈ روم کو اس نے اپنے رہنے سونے کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ پرانے بیڈ روم میں ملازمہ کو بھی جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اس کی حسرت ہی رہی کہ اس بیڈ روم کو دیکھے جہاں فیصل پہلی بیوی کے ساتھ رہتا تھا۔ فیصل نے شادی کے بعد اس کی جاب چھڑوا دی تھی۔ وہ مکمل طور پر گھریلو عورت کے روپ میں ڈھل گئی تھی۔ اس کی بچی کی بات بن گئی تھی۔ لیکن آج بھی اس کے دل تک رسائی نہیں پا سکی تھی۔ وہ اسے خود سے بہت دور محسوس ہوتا تھا۔

عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ فیصل کی ذمہ داریوں میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

ان دنوں سلویٰ بھی پاکستان آئی ہوئی تھی۔ پروا کے ساتھ فیصل کی جنون کی حد تک پہنچی ہوئی محبت سب کے ساتھ اس کے علم میں بھی تھی۔ اس نے کتنی بار اپنے طور پر پروا کے ساتھ رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر وہ جواب نہیں دیتی تھی۔ تنگ آ کر وہ خاموش ہو گئی۔ فیصل اگر چاہتا تو اس کے پاس جا سکتا تھا۔ با آسانی اسے ڈھونڈ سکتا تھا۔ وہ کوئی عام معمولی لڑکی نہیں تھی۔ لیکن انا نے اسے توڑ ڈالا تھا۔ مگر جھکنے نہیں دیا۔ وہ آج بھی پروا سے خفا تھا کہ وہ چپ چاپ خاموشی سے اس کی زندگی سے نکل گئی۔ وہ اس سے لڑتی، جھگڑتی، زبردستی اپنی منواتی تو وہ مان ہی جاتا، لیکن اس نے تو پلٹ کر ایک بار بھی نہیں دیکھا۔ شروع میں وہ غصے میں تھا، ٹھیک تھا لیکن وہ اس کا غصہ اترنے کا انتظار تو کر لیتی۔ وہ پیار کرتا تھا اس سے تو کیا تھوڑا سا بھی غصہ کرنے کا حق نہیں تھا اسے۔ کاش وہ صرف ایک بار اس سے کہہ دیتی کہ راحیلہ نے جو کہا ہے سب جھوٹ ہے۔ تو وہ سب کچھ بھول کر اسے سینے سے لگا لیتا۔ اسے سب سے دور لے جاتا۔ کوئی اپنے چاہنے والے کے ساتھ یوں بھی کرتا ہے۔

وہ اسے بھی نہ ختم ہونے والی اذیت کے سپرد کر گئی تھی۔

صرف نیلم کے پاس اس کمرے کی چابی تھی۔ جیسے میں وہ گھس پاتی وہ خود اپنی نگرانی میں صفائی کروا کر پہلے کی طرح لاک کر دیتیں۔ اس کے علاوہ کوئی بھی اندر نہیں جا سکتا تھا۔ فیصل نے ہر چیز ویسی کی ویسی رہنے دی تھی۔

☼ ☼ ☼

پورے نو سال بعد اس نے پاکستان میں قدم رکھا تھا۔ وہ گل تو شادی کے بعد کراچی چلی گئی تھی۔ لیکن رطابہ ادھر ہی تھی۔ وہ اس کی آمد کا سنتے ہی چلی آئی۔

بہت ہی ہلکے رنگ کے کپڑوں میں بنا کسی آرائش کے وہ بہت تھکی تھکی سی لگ رہی تھی۔ ہاتھ، گلے میں کسی بھی قسم کی جیولری سے بے نیاز، خالی خالی اور ویران سی تھی وہ۔ اتنی کامیابیاں اور شہرت سمیٹنے کے بعد بھی۔ رطابہ اسے لپٹا کر بہت روئی۔

"پروا! تم نے کیا حلیہ بنا لیا ہے اس عمر میں ہی۔" وہ تاسف سے دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے حلیے کو؟" وہ خود پر قابو پا کے الٹا اس سے سوال کر بیٹھی۔ اس سے پہلے کہ رطابہ کچھ کہتی پڑوس سے کچھ عورتیں ملنے آ گئیں۔

ڈرائنگ روم میں ڈاکٹر انجم کے دوست آئے بیٹھے تھے۔ انہوں نے آنے سے پہلے اپنی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔

انجم خود کو بہت مسرور اور مطمئن محسوس کر رہے تھے۔ گھر کے در و دیوار گویا پھر سے جی اٹھے تھے۔ آس پڑوس سے بہت سے دوست احباب جمع ہو گئے تھے۔ وہی اپنائیت تھی جو اس ماحول کا حصہ تھی۔ لیکن پروا بالکل خوش نہیں تھی۔ وہ خود کو بے چین سا پا رہی تھی۔ رطابہ کے کتنے سوالوں کے جواب اس نے ہوں ہاں میں دیے۔

رات وہ اس کے پاس ہی رکی۔ بہت سی باتیں تھیں جو اس نے کرنی تھیں۔ رات کے کسی پہر اچانک بارش شروع ہوئی جس کا پتہ تب چلا جب وہ پوری رفتار سے برسنا شروع ہوئی۔

رطابہ نے کھڑکی سے پردے ہٹا دیے۔

"پروا! باہر دیکھو کتنی تیز بارش ہو رہی ہے۔"

"ہاں رطابہ! اتنی عجیب بات ہے اندر بھی بارش ہو رہی ہے اور باہر بھی۔" پروا کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں اس سے پہلے کہ رطابہ کچھ بولتی اس نے مزید آنسو اندر ہی اندر پی لیے۔

"تو نہا لیتے ہیں بارش میں۔" رطابہ نے پچھلے وقت کو آواز دی تھی لیکن اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"کیوں! تمہیں تو بارش بہت پسند تھی۔ اب کیا ہوا ہے؟" رطابہ مسلسل اس کا ضبط آزما رہی تھی۔

"بس اب نہیں ہے پسند۔ میری پسند ناپسند بدل گئی ہے۔"

"کیوں پروا! پسند ناپسند بھی بدلتی ہے۔" اس نے انجانے میں اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔

"پلیز رطابہ! چپ ہو جاؤ۔" اس نے التجائیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا تو رطابہ کو حقیقتاً اس پر ترس سا آیا۔

"پروا! اس کا جواب بہت ضروری ہے تم نے خود کو اور اپنا ضمیر نہ آزماؤ۔ دیکھو خود کو۔ تمہارے بالوں کی ریشمی نرماہٹ کیا ہوئی۔ تمہاری آنکھوں کی وہ چمک کہاں گئی۔ تمہارے چہرے کی تازگی کہاں گم ہو گئی ہے۔ تمہارے ہنسنے نے تحقیق کا عمل کیوں ترک کر دیا ہے۔ کہاں گئی تمہاری وہ خوش لباسی۔ کیوں رنگ روٹھ گئے ہیں تم سے؟ کہاں گئی تمہاری کشش بتاؤ جواب دو۔"

"پلیز رطابہ! میں بہت لمبے سفر سے آئی ہوں تھکی ہوئی ہوں، سونے دو مجھے۔" اس نے نظریں چرائی تھیں۔ لیکن رطابہ اتنی جلدی ہار ماننے والی نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

پروا نے دو ہفتے بعد آفس جوائن کر لیا تھا۔ رطابہ روز آ جاتی۔ وہ گل کو بھی کراچی سے بلوا لیا گیا تھا۔ میڈیا کو بھی پروا اور گل کی آمد کی بھنک مل گئی تھی۔ وہ جس چیز سے بچنا چاہتی تھی وہی ہو کر رہی۔ عرفان جلال نیازی نے سب سے پہلے رابطہ کیا۔ انہوں نے اپنے طور پر ادب کی ترقی و ترویج کے لیے ایک انجمن بنائی تھی اور وہ اس کا چیئرمین پروا کو نامزد کرنا چاہ رہے تھے لیکن اس نے معذرت کر لی۔ انہوں نے بھی اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ پروا اس دوران جمال صدیقی اور ان جیسے کمپیل ہو جانے والے ستاروں سے نمٹنا اچھی طرح سیکھ گئی تھی۔ اس نے عرفان جلال نیازی کی آخری کوشش بھی ناکام بنا دی۔ ایک دن پرائیویٹ ٹی وی چینلز کے نمائندے کیمرہ مین سمیت گھر پہنچ گئے۔ اس نے انٹرویو دینے سے انکار کر دیا۔ ادبی حلقے اپنی تقریبات پروا اور گل کی تخلیقات سے سجانا چاہ رہے تھے۔ اس نے ہر ایک کو سختی سے انکار کر دیا۔

☼ ☼ ☼

"پاپا! انجم انکل واپس آ گئے ہیں۔ میں نے ان کا کلینک دیکھا کھلا ہوا تھا۔" کھانا کھاتے کھاتے حنان کو یہ بات یاد آئی تھی۔ فیصل کا ہاتھ پلیٹ میں ہی ساکت ہو گیا تھا۔

"تم ملے نہیں جا کر؟" تراب لغاری کے لہجے میں جوش تھا۔ سب حنان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"میں کلینک گیا تھا لیکن وہ تھوڑی دیر پہلے ہی گھر کے لیے نکلے تھے اس لیے ملاقات نہیں ہو سکی۔" اس نے فیصل کے ہاتھ میں واضح ارتعاش محسوس کیا تھا۔ وہ کھانا ادھورا چھوڑ کر اٹھ گیا۔

ان سب نے ہی اس کے قدموں کی لڑکھڑاہٹ کو دیکھا۔

نیلم ماں تھیں، تڑپ سی گئیں، جانتی تھیں انا اور ضد نے اسے اندر ہی اندر توڑ کر رکھ دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

موسم بہت خوب صورت ہو رہا تھا۔ آسمان پہ کالے بادل تیرتے پھر رہے تھے۔ فضا میں اتنے دنوں سے جو گھٹن اور اداسی تھی اس کا خاتمہ ہوتا نظر آ رہا تھا۔ انجم صاحب حسب معمول اپنے کلینک اور مریضوں کے ساتھ بزی تھے۔ پروا گاڑی لے کر گھر سے نکل آئی۔

یونہی ڈرائیو کرتے کرتے وہ راول ڈیم کی طرف نکل گئی۔ اسے راول ڈیم کا یہ قدرے الگ تھلگ سا حصہ بہت پسند تھا۔ اس نے گاڑی وہیں پارک کی اور خود پانی کی طرف آکر ایک پتھر پہ بیٹھ گئی۔ بہت خاموشی اور سکون تھا۔ ادھر اور لوگ بھی نہ ہونے کے برابر تھے۔

وہ پتھر پہ بیٹھی صاف شفاف پانی کو دیکھ رہی تھی، جب اپنے پیچھے اسے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اس کے پلٹنے سے پہلے ہی وہ سامنے آگئے۔

وہ دو لڑکے تھے۔ اٹھارہ سے بیس سال کے درمیان، چہرے پہ سفاک تاثرات لیے۔

"جو کچھ بھی ہے خاموشی سے ہمارے حوالے کرو اور اگر شور کیا تو یہ گولی کھوپڑی کے آرپار ہو جائے گی۔" وہ آہستہ مگر خوف ناک آواز میں بولا۔ دوسرا پروا کو تیز نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اندر ہی اندر سہم سی گئی۔

"میرے پاس تو کچھ نہیں ہے ہاں میرا سیل فون اور بیگ گاڑی میں پڑا ہے۔" وہ بری طرح خوف زدہ تھی۔

"کہاں ہے گاڑی؟" ان میں سے نیلی شرٹ والا بولا۔ پروا کو ماؤزر کی ایک جھلک دکھا کر خوف زدہ کرنے کے بعد وہ اب اسے دوبارہ شرٹ کے نیچے چھپا چکا تھا۔

"میری گاڑی وہ سڑک سے ذرا ہٹ کر کھڑی ہے۔" اس نے وہیں سے اشارہ کیا تو ان دونوں کی نگاہوں نے اس کی انگلی کا تعاقب کیا۔ گاڑی دیکھ کر ان کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"یہ تو اچھی خاصی مرغی آسامی ہے استاد!"

ریڈ چیک شرٹ اور نیلی جینز والے نے بے ہودہ انداز میں آنکھ دبائی تو وہ اور خوف زدہ ہو گئی۔ ان دونوں کے تیور قطعاً "اچھے" نہیں لگ رہے تھے۔ گاڑی سے موبائل اور بیگ اٹھا کر پروا نے ان کے حوالے کیا، مگر ان کی نیت میں فتور آچکا تھا۔

پروا دونوں چیزیں ان کے حوالے کر کے جونہی باہر نکلی ریڈ شرٹ والے نے آنکھوں آنکھوں میں ہی دوسرے کو اشارہ کیا۔ اس نے پروا کا بازو پکڑ کر اسے دوبارہ گاڑی میں دھکیلنے کی کوشش کی۔ ان کے مذموم عزائم وہ ایک پل میں جان گئی تھی۔

پروا نے شور مچا دیا۔ وہ دونوں قطعاً اس کے لیے تیار نہیں تھے۔ یہ منظر پاس سے گزرنے والی ایک گاڑی میں بیٹھے اس شخص نے بھی دیکھ لیا۔ اس نے مزید ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا اور ان کے سر پہ پہنچ گیا۔ ان دونوں کو اپنے ہتھیار نکالنے کی مہلت نہیں ملی تھی۔ اس دوران کچھ اور لوگوں کو بھی گڑبڑ کا احساس ہو چکا تھا۔ صورت حال کا پتا چلا تو وہ بھی قریب آگئے تھے۔

ان دونوں کو بے بس کرنے کے بعد کسی فرشتے کی طرح نازل ہو جانے والے شخص نے قریبی تھانے میں فون بھی کر دیا تھا۔

ان سے نمٹنے کے بعد وہ گاڑی میں بیٹھی منہ چھپائے روتی ہوئی پروا کی طرف آیا۔ وہ لاکھ اپنی سسکیوں کو کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن نہیں کر پا رہی تھی۔ آنکھیں تو شدت جذبات سے اس کی بھی لال ہو رہی تھیں، لیکن وہ [illegible] تھا۔

کچھ اور لوگ بھی کھڑے دیکھ رہے تھے۔

اس کے پاس آنے پہ پروا ڈرائیونگ سیٹ سے اتر گئی تھی۔ وہ جانتا تھا اس ضدی سی پروا کا اگلا قدم کیا ہو گا۔ وہ اتنے سارے لوگوں میں تماشا بننا نہیں چاہ رہا تھا۔ سو پروا ہی نے آرام سے گاڑی ڈرائیو کر کے وہاں سے نکل گئی تھی۔

فیصل لغاری نے آنکھوں کی سرخی چھپانے کے لیے ڈارک گلاسز چڑھا لیے تھے۔

وہ گاڑی گیٹ پہ ہی چھوڑ کر خود اندر آگئی تھی۔ انجم صاحب ابھی تک واپس نہیں آئے تھے اور پروا کے واپس آتے ہی بارش پھر سے شروع ہو گئی تھی۔

آنکھیں اس کی بھی برس رہی تھیں، وہ لان میں ہی بیٹھی تھی۔ اب بارش کے قطروں اور اس کے آنسوؤں میں فرق نہیں رہا تھا۔

فیصل لغاری نے پروا کی گاڑی کے ساتھ ہی اپنی گاڑی بھی پارک کر دی۔

پروا وہاں تک کیبن میں ہی چھوڑ گئی تھی۔ گیٹ کھلا ہوا تھا۔ شاید اسے بند کرنا یاد نہیں رہا تھا۔ لان تک آتے آتے وہ بھی بھیگ چکا تھا۔

وہ برآمدے کی سیڑھیوں کے پاس گھٹنوں میں سر دیے رو رہی تھی۔ ہچکیوں سے اس کا پورا وجود ہل رہا تھا۔

ابھی ڈیڑھ گھنٹہ پہلے اس نے اپنے سامنے فیصل لغاری کو دیکھا تھا۔ جیتے جاگتے فیصل کو۔ وہ پہلے سے کچھ کمزور اور ڈیسنٹ لگ رہا تھا۔ پروا کو تو اپنی آنکھوں پہ اب یقین ہی نہیں رہا تھا۔ جب وہ گاڑی میں اس کے قریب بیٹھا تو اس کے پاس سے وہی جانی پہچانی مہک آ رہی تھی۔ اب تو اسے یقین کرنا ہی تھا۔

پورے نو سال بعد وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ کتنا نکھرا ہوا سا تھا وہ۔ اور وہ خود جدائی اور انتظار کی اذیت سہتے سہتے کیا سے کیا ہو گئی تھی۔ اور وہ تک سک سے تیار خوشبوؤں میں بسا روز اول کی طرح جاذب نظر لگ رہا تھا۔ اس نے کتنا کچھ کھو دیا تھا اور دوسری طرف کچھ جدائی کی اذیت محسوس ہی نہیں ہو رہی تھی۔ احساس زیاں ہی زیاں تھا۔

وہ خوامخواہ قدموں سے چلتا پروا کے پاس خود بھی گیلی سیڑھیوں پہ بیٹھ گیا۔

"پری! آؤ اپنے گھر چلیں۔" وہ اس کی طرف دیکھ نہیں رہا تھا۔ ان نو سالوں میں پروا کے آنسوؤں نے اسے بہت اذیت دی تھی۔

"کون سے گھر؟" اس نے تڑپ کر گھٹنوں سے سر اٹھایا تھا۔

"اپنے گھر۔ اتنے سال بعد؟"

"ہاں پری! اپنے گھر۔" تب پروا نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ کتنا اس کا اپنا تھا وہ فیصل لغاری خود بھی رو رہا تھا۔

"بہت دیر لگا دی واپسی میں۔"

"تم ہی نے مجھے آواز ہی نہیں دی۔"

"میں نے اتنی آوازیں دیں۔"

"تم خود ہی چھپ گئی تھیں نا!"

"آپ مجھے ڈھونڈ لیتے نا!"

"آج ڈھونڈ لیا ہے نا!"

"بہت دیر لگا دی واپسی میں۔ پورے نو سال فیصل! نو سال کا انتظار تم نے میرے نصیب میں لکھا۔ مجھے میرا جرم تو بتاتے۔ تم نے تو مجھے اپنی زندگی سے ہی نکال دیا۔ اس طرح جیسے میں کبھی تھی ہی نہیں۔"

"سب کچھ بتاؤں گا میں۔ تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ صرف پانچ منٹ ہیں تمہارے پاس۔" اس نے بڑی تیزی سے فیصلہ کیا تھا۔ پروا اس کی محبوب بیوی تھی۔ وہ اسے دوبارہ کھونا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی انا پسندی نے پہلے ہی اسے بہت دکھ دیے تھے۔

✿ ✿ ✿

فیصل اور وہ مرکزی گیٹ سے اکٹھے اندر داخل ہوئے تھے۔ سلونی اور وزیر شہوار بیٹھی موسم کا مزہ لے رہی تھیں۔ منظر ہی حیران کر دینے والا تھا۔ پانچ منٹ سے بھی کم میں گھر کے سب افراد سوائے لائبہ کے جمع ہو کر پروا کو گھیرے میں لے چکے تھے۔ کسی کو بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔ پروا نیلم کے گلے سے لگی رو رہی تھی۔ نیلم کی بھی یہی حالت تھی۔ صفورا بیگم نے کتنی ہی دعائیں مانگ ڈالی تھیں۔ سب خوش اور بے لوث۔ حنان کو سب سے آخر میں پتا چلا تھا۔ وہ مٹھائی لے کر گھر آیا تھا۔ راحیہ ابھی تک اس کے سامنے نہیں آئی تھی۔ پروا کے لبوں پہ بہت سے سوال تھے۔

✿ ✿ ✿

ایمان شور سے جاگ گئی تھی۔ اس کی نیند ابھی ہی تھی۔ لائبہ نے اٹھ کر اس کا منہ ہاتھ دھلوایا اور باہر آگئی۔ گھر والے سارے ہال میں جمع تھے۔ لگتا تھا کوئی مہمان آیا ہے۔ وہ ایمان کی انگلی پکڑے ہال میں آگئی۔ اس کے اندر داخل ہوتے ہی خاموشی چھا گئی جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ وہ ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے تھے۔ لائبہ پروا کو دیکھ کر ٹھٹک سی گئی تھی۔ یہ صورت اس کے لیے جانی پہچانی تھی۔ پروا کو

ٹی وی پہ دیکھ چکی تھی۔ اس کی کتاب کے بیک ٹائٹل پہ اس کی تصویر بھی پرواد دیکھ چکی تھی۔ فیصل کے پاس اس کی کتابیں موجود تھیں۔ وہ خود فیصل کے دل میں تھی۔ تو وہ اس وقت اسے کیسے نہ پہچان پاتی۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں اس نے جانچ لیا تھا کہ یہ وہی ہے جس کی تلاش میں فیصل اس سے صدیوں کے فاصلے پہ ہے۔

ایمان اس سے ہاتھ چھڑا کر ایک دم فیصل کی طرف بھاگی۔

"پپا! یہ کون ہیں اور دادو کیوں رو رہی ہیں؟" وہ فیصل کی گود میں بیٹھ گئی۔ تب پروا بے ساختہ چونکی۔

"پپا! بولیں نا یہ کون ہیں؟" خاموش بیٹھے فیصل سے اس نے دوبارہ سوال کیا۔ اب وہ دروازے میں کھڑی دیکھ رہی تھی۔ پروا کی نظر ابھی تک اس پہ نہیں پڑی تھی۔ سب کے سب سانس روکے فیصل اور ایمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ تب لائبہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اندر آئی۔

"السلام علیکم" اس نے بڑی اونچی آواز میں سلام کیا۔ وہ پروا کے سامنے کھڑی تھی۔ فیصل نے ایمان کو گود سے اتار دیا تھا۔

"یہ وہی شہزادی ہیں، جو بہت پہلے گم ہو گئی تھیں، میری غلطی کے سبب۔ میں اب ڈھونڈ کر لے آیا ہوں۔" فیصل کی نگاہ پروا پہ جمی تھی جو بڑی حیرانی سے ایمان کو دیکھ رہی تھی۔ کتنے سارے سوال تھے اس کی نگاہوں میں۔ فیصل کو اپنا آپ پل صراط پہ محسوس ہوا۔

"پری! یہ میری بیٹی ایمان اور یہ لائبہ ہے۔" اس نے تعارف کا ناگوار فریضہ خود ہی انجام دیا۔ وہ چہرے سے بیٹھی ہوئی اور پھر وہیں سے قدم تیز تیز گھسیٹتی باہر نکل گئی۔ وہ اس کے پیچھے لپکا۔

"پری! پلیز رک جاؤ۔ اب مجھے چھوڑ کر نہ جانا۔ پہلے کی طرح اکیلا نہیں ہونا چاہتا۔" اس نے پروا کے دونوں بازو پکڑ لیے۔ اس نے آہستگی سے اپنے بازو چھڑائے اور بھیگی پلکوں سے اسے دیکھا۔ یوں کہ جیسے اسے اپنی پلکوں میں ہمیشہ کے لیے قید کر لینا چاہتی ہو۔ پھر لبوں سے گویا سرسراتی سی آواز نکلی تھی۔

"بس فیصل! ابھی رک جاؤ۔ تمہاری زندگی میں میری کوئی گنجائش نہیں۔ اب بھی میرے پیچھے نہ آنا۔ تم جانتے ہو میں اپنا فیصلہ نہیں بدلوں گی۔" وہ نڈھال قدموں سے چلتی دروازہ عبور کر گئی۔

✲ ✲ ✲

اور اپنے گھر کی نچلی سیڑھیوں پر بیٹھی وہ گویا اپنا احتساب کر رہی تھی۔

"میں شہرت کی چمک دمک میں کھو کر پہلے ہی اپنا بہت نقصان کر چکی ہوں۔ اور شاید تمہارے بے پناہ پیار نے ہی مجھے بے جا اعتماد دیا کہ چاہے کچھ ہو جائے تم میرے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اپنی بے جا انا اور نام کمانے کے چکر میں میں نے تمہیں کھو دیا۔ اپنی زندگی کھو دی۔ اور اب میں یہ بھی دکھ تمہاری بیوی کو دوں؟ اس کا کیا قصور ہے؟ اور تمہاری بچی "ایک بنا ہوا مو اور انصاف کیسے کرپائے گا؟ نہیں مجھ سے ایک اور گھر اجڑنے نہیں دیا جائے گا۔ میری بے لگام خواہش اور انا کی سزا مجھے ہی ملنی چاہیے۔ اس میں ان کا حصہ کیوں ہو؟ ایک اور غلطی۔ نہیں ہرگز نہیں۔" آنسو اس کا چہرہ بھگوتے رہے۔ پھر جیسے تھک کر دیوار سے سر ٹکا دیا۔

شہزادو کو کھلتی ہوئی کھڑکی کی تھکن

آنکھوں کو بھگوتی ہوئی آوارہ ہوا

روش دیوار سے بے زار کھڑکی کی تک تک

میرے انجام پہ روتا ہوا سانسوں کا ستار

ٹوٹی الماری میں بکھرے ہوئے چاہت کے نقوش

رقص کرتی تنہائی کے بیاسے سائے

اور میں ہوں اکیلا بہت

ان سایوں کے درمیان